اُردو مرکز لائبریری

پیامِ زندگی

جلد دوازدہم

مُرتّبۂ اُردو مرکز لاہور

مہتمم عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

اُردو مَرکز لائبریری

اردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد دوازدہم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

(اقبال)

مُرتّبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت

حضرات اراکین اُردو مَرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

اُردو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دار السلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کیلیئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ حتیٰ الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا۔

(۲) اُردو زبان کی مکمل انسائیکلوپیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب۔

(۴) اُردو مرکز کی مجلس اُدبا (جو درحقیقت اُردو زبان کیلیئے ایک ادبی دار الافتا ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم اور منتخب انشاپرداز شریک ہیں اُردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمامتر توجہ مبذول کئے ہوئے ہے اسکی پہلی زرین کوشش نفیس گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدرشناس لگاہوں کے سامنے پیش کیجاتی ہے آنریبل سر شیخ عبد القادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی آئی۔ ای ایس۔ پنڈت برجموہن دتا تریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دیئے ہیں۔ قدرشناس اہل نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کر کے اُردو مصنفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کر دینگے۔

تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد و چیف ایڈیٹر اُردو مرکز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس واقع ایبٹ روڈ لاہور میں باہتمام بابو گوراندتامل صاحب مینیجر شائع ہوئی

فہرست

پیامِ زندگی جلد دوازدہم

شہادت حضرت امام حسین

شہادت حضرت امام حسینؑ

حضرت امام حسینؓ اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت علی اصغر کو سپرد خاک فرماکر خیمۂ اہلبیت میں تشریف لے جاتے ہیں۔ مخدراتِ عظام مجسمۂ غم و الم بنی ہوئی ہیں۔ آپ تلقین صبر فرماتے ہیں۔ اسکے بعد اپنے بیمار صاحبزادے حضرت سجادؓ کو منصب امامت تفویض فرماکر میدان جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں۔

میدان جنگ میں پہنچکر آپ اتمام حجت کے لئے ایک موثر تقریر فرماتے ہیں۔ لیکن سنگدل کوفیوں پر آپکی اس تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بالآخر جنگ شروع ہوتی ہے۔ پہلے تو حضرت امام ذوالفقار علی سے صحرائے کربلا کو لالہ زار بنا دیتے ہیں۔ اسکے بعد مرثیہ نگاروں نے مختلف پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ شکست و ہزیمت کے آثار دیکھ کر لشکر شام آپ سے اماں طلب ہوتا ہے۔ آپ چونکہ بغایت رحمدل واقع ہوئے ہیں۔ اسلئے شمشیر خون آشام کو نیام میں رکھ لیتے ہیں اور غنیم کو موقع ملجاتا ہے کہ آپ کو شہید کردے۔ بعض نے یہ طریقۂ بیان اختیار کیا ہے کہ لڑتے لڑتے آپ کی نظر یکایک گنج شہیداں پر پڑ جاتی ہے۔ اور آپ اس نظارہ میں اسقدر محو و مستغرق ہو جاتے ہیں

کہ پس و پیش کی خبر نہیں رہ جاتی اور غنیم کو موقع ملجاتا ہے کہ آپ کو شہید کردے۔ بعضوں نے اسی پر اکتفا کیا ہے کہ یہ سب کچھ ایمائے غیبی سے ظہور پذیر ہوا۔ غرضکہ ان تمام مختلف شاعرانہ طرز بیان میں آپ کے شجاعانہ کارنامے اور بالآخر آپ کی شہادت ایک مسلمہ حقیقت ہے اور چونکہ کربلا کے واقعات خونیں کا اصل تعلق آپ ہی کی ذات سے تھا۔ اسلئے ہمارے شعرا نے اپنی پوری قوتیں بھی اسی بیان میں صرف کی ہیں۔

(۱) حضرت امام کی اہلبیت سے رخصتی

(۲) میدان جنگ میں اتمام حجت کی تقریر

(۳) گھوڑے اور تلوار کی تعریف

(۴) شجاعانہ جنگ۔ حریفوں کی بدحواسی بالآخر شہادت اور اہلبیت میں نالہ و زاری۔

یہ ہیں وہ مشترک موضوعات شہادت جنپر بالعموم طبع آزمائیاں کی گئی ہیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر ان باتوں کا اعادہ زیادہ قوت اور زیادہ پرجوش طریق کیساتھ کیا گیا ہے۔ اس میں میر انیس۔ مونس اور تعشق کے مرثیے خصوصیت کیساتھ قابل لحاظ ہیں ؂

حضرت فصیح

میدانِ جنگ میں جانے سے قبل حضرت امام حسینؑ اہلبیت سے فرماتے ہیں کہ :-

تم کو اے اہل حرم! ہمنے خدا کو سونپا
الم درد و الم رنج و بلا کو سونپا

پھر فرماتے ہیں کہ :-

چھوڑ دو نالہ و فریاد و غم و ماتم کو
محو ہو یادِ الٰہی میں بھلاؤ ہم کو

اسکے بعد پھر یوں تلقین و ہدایت فرماتے ہیں :-

اخلاقی تعلیم

جو بلا آئے اُسے سمجھو کہ ہے فضلِ کریم
جانیو ذلّت و خواری کو کہ ہی اجرِ عظیم
قید خانے کو سمجھنا کہ ہی جنات نعیم
جب لگے گرم ہوا جانیو جنّت کی شمیم

رہیو راضی برضا حکمِ خدا نازک ہے
دم شمشیر سے بھی راہ رضا نازک ہے

پھر آپ اہلبیت کو گریہ و زاری سے منع فرماتے ہیں۔

جب مجھے یاد کرو کیجیو مت نالہ و آہ
دل جو گھبرائے تو یہ کہنا کہ اِنّا لِلّٰہ

موت سب کے لئے یقینی ہے - ایذا و مصائب پر راضی برضا رہنا ہی انسان کا اصلی کمال ہے -

سر ہمارا جو نظر تمکو سناں پر آوے
شکرِ حق کیجیو شکوہ نہ زباں پر آوے

درسِ عبرت

موت سے ظالم و مظلوم نہ پائینگے اماں — ملک الموت کے قبضہ میں ہیں سب پیر و جواں
عمر انساں کی ہے صرصر کیطرح تند رواں — اکدن سب کو اسی خاک میں ہونا ہی نہاں

غمِ دنیا ہے عبث زیست کے پابندوں کو
چاہیئے خالقِ اکبر کی رضا بندوں کو

کون دنیا میں رہا زندہ ہمیشہ ہیہات — گئے عالم سے رسولِ عربی نیک صفات
نہ رہے حیدرِ کرار رفیع الدرجات — دفن زہرا ہوئیں کی قطع حسنؑ نے بھی حیات

نہیں ممکن کہ رہے زندہ حسینؑ ابنِ علیؑ
ہے سوئے مرگ شتابندہ[1] حسینؑ ابنِ علیؑ

تلقینِ صبر

جب مصیبت میں گرفتار ہوئے اہلِ عزا — حمدِ باری کرو تا درد کا حاصل ہو مزا
صبر دنیا میں کرو سامنے ہے روزِ جزا — شکر کا اجر ہے شکوے کی مہیا ہی سزا

سر ہمارا جو نظر تمکو سناں پر آوے
شکرِ حق کیجیو شکوہ نہ زباں پر آوے

---

[1] جلد راہی ہونے والا ،

روتے تھے اہلِ حرم کرتے تھے شبیرؑ جو پند
کہتے تھے تم ہو رسولِ عربی کے فرزند
ہم نہیں صبر و تحمل میں تمہاری مانند
تم دعا دو کہ زبانیں رہیں شکوے سے بند
مرگ میں عورتیں بے صبر بہت ہوتی ہیں
تاب لا سکتی نہیں ڈھانپ کے منہ روتی ہیں
ہاتھ اٹھائے ہوئے کرتے تھے دعا سرورِ دیں
کہتی تھیں زینبؑ و کلثوم مکرر آمین
ہو گئی آلِ پیمبر کے دلوں کو تسکین
گھر سے میداں کو روانہ ہوئے شاہِ غمگین
تن تنہا جو نظر آئے ستمگاروں کو
آئے چمکاتے ہوئے کھینچ کے تلواروں کو

اس حالت میں حضرت امام حسینؑ اپنے دل میں غور فرماتے ہیں۔ کہ

کلمہ گو ہیں میرے نانا کے میں شرماتا ہوں
کیا لڑوں ان سے نبی زادہ میں کہلاتا ہوں
یہ سخن کہکے لگے رونے شہِ جنّ و بشر
پھر ستمگاروں سے فرمایا مخاطب ہو کر
تم مجھے جانتے ہو کون ہوں کسکا ہوں پسر
تمنے کر لی ہے خطا بھی کوئی ثابت مجھ پر
کیوں یہ کھینچے ہوئے شمشیر چلے آتے ہو
مینہ سا برساتے ہوئے تیر چلے آتے ہو

دشمنانِ حسینؑ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں کسی سے کچھ سروکار نہیں ہم یزید کے نمک خوار ہیں اور حق نمکخواری ادا کرتے ہیں۔ پھر اسی سلسلہ میں کہتے ہیں ؎

سرکشی ترک کرو جان اگر پیاری ہے
پھر وہی جاہ و حشم ہے وہی سرداری ہے

سن کے اعدا کی سخن ہو گئے حضرت بیچین لگے فرمانے ستمگاروں سے شاہِ حرمین
لو خبردار ہو تلوار پکڑتا ہے حسینؑ ہاں علم ہوتی ہے شمشیرِ شہِ بدر و حنین[1]
اب ذرا بیکس و تنہا کی لڑائی دیکھو
برشِ تیغِ ید اللہ کی صفائی دیکھو

جناب امام حسینؑ نے تیغ آبدار کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ دشمنوں کی زبان سے نعرۂ تحسین نکلا۔ یکایک پھر آپ کی رحمدلی مانع ہوتی ہے۔ آپ امتِ رسول کی بربادی کے خیال سے بے قرار ہو جاتے ہیں اور تلوار کو نیام میں کر لیتے ہیں۔ ہر طرف سے آپ پر وار ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ آپ فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں اور شمرِ سفاک آپ کا سر مبارک اتار لیتا ہے ❖

میر ضمیر

منظرِ صبح

"نکلا جو سرِ مہر گریبانِ سحر سے، انجم کے گہر گر گئے دامانِ سحر سے
مہتاب کا رنگ اڑ گیا دامانِ سحر سے روشن ہوا صحرا رخِ تابانِ سحر سے

[1] بدر و حنین میں حضرت علی نے اپنی تیغ کے جوہر دکھائے تھے۔ یہی تلوار حضرت امام حسینؑ کے دست حق پرست میں تھی۔

جو وادیٔ ایمن میں ہوا طور کا عالم
وہ خیمۂ شبیرؑ میں تھا نور کا عالم
وہ نور کا تڑکا اِدھر اور صبح کا عالم گھٹنا مہ و انجم کی تجلّی کا وہ کم کم
آتی تھی صدائے دہل صبح بھی پیہم چلتی تھی نسیم سحری دشت میں تھم تھم
کرتا تھا چراغ سحری عزم سفر کا
اور شور درختوں پہ وہ مرغانِ سحر کا
کہتا تھا کوئی جلد سکینہؑ کو جگاؤ اور عابدؑ بیمار کے شانے کو ہلاؤ
ہے غم سے پڑی خاک پہ بانوؑ کو جگاؤ ہاں بیبیو اب رخصتِ شبیرؑ کو آؤ
حضرت کی سواری درِ خیمہ پہ کھڑی ہے
ہشیار رہو رات تو کل چار گھڑی ہے

تیاریٔ جنگ

تھا نوبتی اک سو دہل صبح بجاتا نقارۂ رزمی پہ کوئی چوب لگاتا
میدانِ ستم تھا تہ و بالا نظر آتا بڑھ بڑھ کے پرے سے کوئی واں نیزے ہلاتا
جلوے علموں کو جو دیئے اہلِ جفا نے
دامان کو گردان لیا پیکِ قضا نے
تھی میان سے نکلی ہوئی ہر ایک کی تلوار چلّے سے کمانوں کے ملے تھے لب سوفار
ہاتھوں میں چمکتے ہوئے سب خنجرِ خونخوار گھوڑوں کی عنانیں لئے اور جنگ پہ تیار
آتے تھے سوئے خیمہ بڑھائے ہوئے صف کو
نیزوں کی سنانیں شہِ بیکس کی طرف کو

تھے لشکرِ اعدا میں تو یہ حشر کے آثار پردہ یہاں خیمہ کا اٹھا اتنے میں اکبار
میدان میں فضہ نکل آئی بدلِ زار کی عرض کہ زینبؑ نے کہا ہے یہ بتکرار
جانا نہ ابھی رن میں شہادت طلبی کو
رخصت تو کرو آنکے ناموسِ نبیؐ کو

رخصت کے لئے خیمہ میں داخل ہوئے حضرتؑ برپا ہوئی ناموسِ پیمبرؐ میں قیامت
اُسدم تھی عجب زینبؑ و کلثومؑ کی صورت طاری تھی عجب طرح کی شبیرؑ پہ حالت
دھیان آیا سکینہؑ کو یتیمی کا جو جی میں
غش ہو گئی دامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ میں

حضرت امام حسینؑ اہلبیت سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں تشریف لے جاتے ہیں ایک سخت مقابلہ کے بعد بالآخر آپ زخمی ہوتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے :۔

حضرتؑ پہ ہوئی چار طرف تیروں کی بوچھار اور برچھیوں والوں نے بدن کر دیا افگار
جب فرقِ مبارک پہ لگیں سیکڑوں تلوار عمامہ محمدؐ کا گرا خاک پہ اک بار
جسدم نہ رہا بیٹھنے کا گھوڑے پہ یارا
ناگاہ گرا خاک پہ وہ عرش کا تارا

ندرتِ ادا

اے مومنو کس باغ میں عالم ہی خزاں کا — جو غم سے عجب رنگ ہی گلزار جہاں کا
ہے خشک دہن پیاس سے کس غنچہ دہاں کا — جو شغل عنادل کو ہے فریاد و فغاں کا
بے شبہہ کسی گل کی عناں خُونیں بھری ہی
آلودۂ خوں موجِ نسیم سحری ہے

شاعر نسیم سحری سے ہمکلام ہو کر اسکی پریشاں خاطری کا سبب پوچھتا ہے۔

اندازِ بیان

کی میں نے نسیمِ سحری سے جو یہ گفتار — تب خاک اڑا کر یہ لگی کہنے وہ اکبار
کیا تجھ سے پریشانیِ خاطر کروں اظہار — ہے صرف خزاں احمدِ مختار کا گلزار
زندہ کوئی شبیرؑ کا غمخوار نہیں ہے
گلزار کا مالک ہے یہ گلزار نہیں ہے

نسیمِ سحر اپنے سلسلۂ بیان میں کہتی ہے۔

رخسار یہ کیا نور ہے کیا جلوہ گری ہے
یہ دفترِ ہستی میں وہ چہرہ نظری ہے

پھر کہتی ہے :-

دامن میں جنہیں عترتِ اطہار نے پالا — چُن چُن کے خزاں نے کیا انکو تہ و بالا
گلچینِ قضا نے یہ کیا حکم نرالا — توڑا انہیں اور جلتی ہوئی ریت پہ ڈالا

آغوش میں پالا تھا جنہیں شیرِ خدا نے
وہ پھول بھرے دامنِ صحرا میں قضا نے

شاعر نے یہانتک نسیمِ سحر کی زبانی واقعاتِ جناب امام حسینؑ بیان کیے، اب خود شاعر کی زبان سے سنیئے۔

ہے بادۂ عرفاں کے نشہ میں جو وہ بیہوش ہے یادِ خدا اور غمِ دنیا ہیں فراموش،
یہ کہتے ہیں، اللہ کی الفت کا جو ہے جوش اَے خالقِ ذوالفضل عطا پاش و خطاپوش
کیا ہی دلِ شبیرؑ کو اسوقت خوشی ہے
مجھ بندے کی درگاہ میں تیری طلبی ہے

اسی سلسلۂ بیان میں ایک بیت ملاحظہ ہو:۔
بیفائدہ تھا دل کو جو رکھتا میں قلق میں
جو تو کرے بہتر ہے وہی بندہ کے حق میں

جناب امام حسینؑ خدائے پاک کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں
ہم سے تو کوئی کام ترا ہو نہیں سکتا
گر شکر بھی کیجئے تو ادا ہو نہیں سکتا

رونا جو غریبوں کیلئے کب یہ روا تھا تیرے ہی وہ سب بندے تھے شبیرؑ کا کیا تھا
پر مجھکو امیں اپنی امانت کا کیا تھا میں اسکے بھی لائق نہ تھا یہ فضل ترا تھا
اسدم بھی نہ تھا کوئی نہ اسدم بھی کوئی ہے
جب بھی مرا وارث تھا تو ہی اب بھی تو ہی

لہ یعنی حضرت امام حسینؑ ؛

جناب امامؑ میدانِ کارزار میں تن تنہا کھڑے مصروفِ حمد و ثنا تھے کہ

شبیرؑ کو ناگاہ لیا ظالموں نے گھیر		مینہ تیروں کا برسا دیا زنہار نہ کی دیر
ابن اسد اللہ نے بھی کھینچ لی شمشیر		تابندگیِ تیغ نے منہ سب کے دئیے پھیر

گہ پیش نظر تھی کبھی نظروں سے نہاں تھی
جوں برقِ جہندہ کبھی یاں تھی کبھی واں تھی

تلوار کی تعریف میں ایک بیت ملاحظہ ہو:-

آنکھوں کو چکا چوند سے سب ڈھانپ رہے تھے
کشتوں کا یہ نقشہ تھا کہ سب کانپ رہے تھے

آخر کار شدتِ ضعف و تشنگی کی وجہ سے آپ پر غش سا طاری ہونے لگتا ہے ۔ اسی حالت میں آپ مجروح ہو کر زمینِ کربلا پر گر پڑتے ہیں اور شہید کر دئے جاتے ہیں ؂

مرزا دبیر

واقعہ نگاری

روانہ نہرلبن پر جو شیرخوار ہُوا		امام زادے کی گردن سے تیر پار ہُوا
تڑپ کے ہاتھوں پہ حضرت سے ہمکنار ہُوا		خزاں ہوا وُہ جو گل تو گلے کا ہار ہُوا

ؔ۵ مراد حضرت علی اصغر سے ہے ؂

ادھر تو شاہ کو یہ صدمۂ جگر پہنچا

ادہر مدینہ سے صغرا کا نامہ بر پہنچا

محاکات

لہو میں غرق کھڑے تھے کمر جھکائے ہوئے ۔۔۔ پسر کی ننھی سی میت گلے لگائے ہوئے

لہو بھرا ہوا دامن اسے اڑھائے ہوئے ۔۔۔ کفن کی فکر میں منہ خیمہ کو پھرائے ہوئے

یہ حال دیکھ کے قاصد کی آس ٹوٹ گئی

ہوا یہ رعشہ کہ فوراً مہار چھوٹ گئی

قاصد پاس آکر حضرت سے پوچھتا ہے کیا جناب آپ علی اکبر و علی اصغر کے پدر بزرگوار ہیں ۔ کیا حضرت عباسؑ آپ کے بھائی ہیں ۔ کیا آپ ہی وہ امیر ہیں جنکی مجھے تلاش ہے ؟

حسینؑ بھر کے دم سرد بولے اے غمخوار ۔۔۔ امیر کون ہے میں تو ہوں بیکس و بے یار

کہاں ہیں اکبر و قاسم کہاں علم بردار ۔۔۔ خدا کے بندے تھے یہ سب ہوئے خدا پہ نثار

سپاہِ ظلم نہ تنہا سمجھ کے گھیرا ہے

ہزاروں تیغیں ہیں اور ایک حلق میرا ہے

قاصد کو جب معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ یہی ہیں تو حیران ہو کر واقعاتِ حاضرہ کو پوچھنے لگا ۔ اور بتایا کہ میں سکینہ کا قاصد ہوں ۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔ آپ اجمالاً حالاتِ کربلا بتاتے ہیں ۔ اس کے بعد حضرت علی اصغرؑ کو دفن کرتے ہیں ۔ اس موقعہ پر شاعر نے ایک بیت خوب کہی ہے ۔

وہ اپنے چاند کو جب خاک میں چھپانے لگے
جگر تڑپنے لگا ہاتھ تھرتھرانے لگے

اس کے بعد آپ مصروفِ جنگ ہوتے ہیں۔ فوجِ شام کے کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ قاصد یہ زورِ بازو دیکھ کر پوچھتا ہے کہ حضرت ایک طرف آپ پابندِ صبر نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف آپ کی تلوار دریائے خون بہا دیتی ہے۔ آپ جواب میں فرماتے ہیں:-

برائے نام نہ جرأت یہ صبر کرتے ہیں
خدا کے واسطے لڑتے ہیں اور مرتے ہیں

اور اسکے دوبارہ استفسار پر

جواب عاشقِ حق نے یہ بے درنگ دیا
جب اُسنے صبر دیا تھا اب اذنِ جنگ دیا

اسکے بعد قاصد کو آپ رخصت کرتے ہیں، فوجِ شام ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور آپ شہید ہو جاتے ہیں ۞

جب پریشان ہوئی مولا کی جماعت رَن میں ہر نمازی کو پسند آئی اقامت رَن میں
قبلۂ دیں نے کیا قصدِ عبادت رَن میں شکلِ محراب بنی تیغِ شہادت رَن میں
غل ہوا اسکو امامِ دوجہاں کہتے ہیں
تیغوں کے سایہ میں شبیرؑ اذاں کہتے ہیں

مرزا دبیر کے شاعرانہ اعجاز سے فردوس کے دریچے اور چرخ خضرا کے

دروازے کھل جاتے ہیں اور تمام خاصانِ خدا کے کانوں میں یہ آواز آتی ہے ؎

کیوں نمازی کوئی ایسا بھی کہیں دیکھا ہے
اک زباں سب یہ پکارے کہ نہیں دیکھا ہے

پھر آواز آتی ہے ؎

یہ وہ ہے فرض کہ تنہا ہی ادا کرتے ہیں   میرے عاشق تہِ شمشیر پڑھا کرتے ہیں
ہر قلم ہوتا ہے وہ شکرِ خدا کرتے ہیں   صادق الوعدہ یونہیں وعدہ وفا کرتے ہیں
ہم نماز اسکے جنازے کی جو پڑھواوینگے
تم بھی جانا کہ رسولانِ سلف جاوینگے
ساکنِ عرش بریں کرنے لگے نالہ و آہ   شاہ تکبیر یہاں کہہ چکے اللہ اللہ
اور اقامت میں ہوا صرف امام ذیجاہ   جانِ احمدؐ پہ گرے آن کے لاکھوں گمراہ
سورۂ حمد نبی زادہ پڑھا چاہتا تھا
شمر خنجر لئے سینہ پہ چڑھا چاہتا تھا
زینتِ عرشِ خدا خاک پہ افتادہ ہے   نہ بچھونا ہے نہ مسند ہے نہ سجادہ ہے
شمر خنجر لئے بالین پہ استادہ ہے   کوئی اتنا نہیں کہتا کہ نبی زادہ ہے
قصدِ سجدے کا اُدھر قبلۂ دیں کرتا ہے
نیّتِ ذبح ادھر شمر لعیں کرتا ہے

شاعر حضرت امام حسین علیہ السلام کا راضی برضائے الٰہی ہونا اسطرح ظاہر کرتا ہے:-

تیغِ قاتل نے کہا حلق کی خاطر ہوں میں
شہ نے فرمایا کہ تقدیر پہ شاکر ہوں میں

میدانِ جنگ میں ادھر حضرت امام حسینؑ شہید ہو رہے ہیں، اطراف اہلبیت میں انتشار و اضطراب برپا ہے۔

خود بخود سخت ہراساں جو ہوئی زینبؑ زار
بے تامل کیا کاندھے پہ سکینہؑ کو سوار
اور کہا تم پہ میں صدقے مرے ماں باپ نثار
پونچھکر آنسوؤں کو دیکھ تو تو اے دلدار

سجدہ کرتے ہیں کہ امت کو دعا کرتے ہیں
بھائی صاحب مرے اس فوج میں کیا کرتے ہیں

ننھا سر اپنا اٹھایا جو بسوئے میدان
پھینک کر ٹوپی کہا ہائے مرے بابا جان
بانو چلائی بتا خیر تو ہے اے نادان
پیٹ کر سر وہ پکاری کہ دوہائی امّاں

کاکلیں پکڑے سرِ پاک لئے جاتا ہے
میرے بابا کو کوئی ذبح کئے جاتا ہے

آخر کار حضرت امام حسینؑ شہید ہو جاتے ہیں۔

ناگہاں رَن میں اٹھا غل وہ ہوئے قتل حسینؑ
لوٹ لو جامہ و عمامۂ شاہِ کونین
خاک پر بیٹھ کے سیدانیاں کرنے لگیں بین
مُنہ پہ بانو نے ملی خاک بصد شیون و شین

ماتمِ شاہ جو برپا کیا باہم سب نے
پہلے بال اپنے پریشان کئے زینبؑ نے

یاں تو ماتم تھا اور اُس سمت کو تھی عیدِ ظفر
بیٹھا تھا کرسیِ زرّیں پہ تکبّر سے عمر
گرد سردار تھے سب نذریں لئے ہاتھوں پر
یہ وہ کہتا تھا ابھی لونگا نہ نذرِ لشکر

ٹھہرو ٹھہرو میں ذرا شمر کو خلعت دی لوں
نذر پہلے سرِ فرزندِ پیمبرؐ لے لوں

حضرت امام حسینؑ حرم میں تشریف لاتے ہیں:-

ناگہ چمک ہوئی درِ دولت پہ نور کی　　خیمہ کے قمقموں کو ملی شمع طور کی
غل پڑ گیا محل میں ہے آمد حضور کی　　اب سب سے ہے وداع امامِ غیور کی
قبلہ حرم میں چار طرف کو امام تھے
سر خم تھے اور زبان سے جاری سلام تھے

میدانِ جنگ میں پہنچکر فوجِ اشقیا سے مخاطب ہو کر آپ فرماتے ہیں:-

دریا کو تم نے چھین لیا مینے کچھ کہا　　پانی دکھا دکھا کے پیا میں نے کچھ کہا
داغ اکبرِ جواں کا دیا میں نے کچھ کہا　　اک بے زباںؑ کو قتل کیا مینے کچھ کہا
صابر ہوں بے دیار ہوں میں کینہ ور نہیں
یارو مرے مزاج میں واللہ شر نہیں

ایک جگہ حضرت امام حسینؑ کی تیغ کی بُرّش و صفائی کا ذکر اسطرح کرتے ہیں:-

---

ؑ حضرت علی اصغر مراد ہیں ÷

بو کیطرح دماغوں میں آئی چلی گئی مثلِ ہوا سروں میں سمائی چلی گئی
شعلہ کیطرح آگ لگائی چلی گئی صرصر کیطرح باگ اٹھائی چلی گئی
سینہ میں صاف آتی تھی اور صاف جاتی تھی
انداز دم کی آمد و شد میں دکھاتی تھی
آنکھوں میں کوندتی تھی پیش نظر نہ تھی صف کونسی تھی رن میں جو زیر و زبر نہ تھی
کچھ انتہائے برشِ تیغ دو سر نہ تھی یہ کون مبتدا تھا کہ جسکی خبر نہ تھی
یاں تھی وہاں نہ تھی جو ادہر تھی ادہر نہ تھی
پھر یہ نہ کچھ کھلا کہ کدہر تھی کدہر نہ تھی

حضرت امام حسینؑ میدان جنگ میں مصروفِ کارزار ہیں۔ حضرت زینبؑ گھبرا کر باہر نکل آئی ہیں کہ بھائی کی خیریت معلوم کریں ؎

دھڑکا یہ ہے کہ قتل نہ ہو جائیں شاہِ دیں چلتی ہیں جلد اور زمیں سوجھتی نہیں
واں لڑکھڑائیں اور یہاں منہ کے بل گریں آنکھیں کہیں خیال کہیں اور دل کہیں
بیٹے موئے نہ نکلی مگر اب نکل پڑی
منہ اپنے ڈھانپ لو زینب نکل پڑی

حضرت امام حسینؑ کمال شجاعت و دلیری سے جنگ فرماتے ہیں بالآخر:-

اکبار جمع ہو گئی سب فوجِ اشقیا گرد ایک چاند کے ہوئے عقرب ہزارہا
سب جسم پہ تن پہ پڑتے لگے وامصیبتا شمشیر و تیر و گرز و سناں خنجرِ جفا

صورت لہو سے بھر گئی پرزے بدن ہوا
سی پارہ شاہ دیں کا ہر اک جزو تن ہوا

وہ جسم چاک چاک وہ جلتی ہوئی زمیں	وہ سنگریزہ گرم وہ رخسار نازنیں
پہلو بہ پہلو آہ تڑپتے تھے شاہ دیں	یہ حال تھا کہ ذبح کی خاطر بڑھا لعیں
ارکان عرش خالق سبحاں لرز گئے
مقتل میں لاشہ ہائے شہیداں لرز گئے

پوچھو جگہ نہ شمر لعیں کے مقام کی	پھٹتا ہے سینہ یاں نہیں طاقت کلام کی
پہنچا جو صدمہ روح کو شاہ انام کی	اک دفعہ آنکھ کھل گئی غش سے امام کی
چاروں طرف حسینؑ کو لشکر نظر پڑا
سینہ پہ شمر حلق پہ خنجر نظر پڑا

فوج ستم بڑھی کہ خزاں کی ہوا چلی	گلزار اہلبیت کی توڑی کلی کلی
چلائی بال کھول کے زہرا کی لاڈلی	فریاد یا رسول خدا داد یا علی
صورت سفید لے کے سر دست آئی صبح
رنڈ سالہ نذر بانوے شبیرؑ لائی صبح

استعارہ

تنہا تھا سرو[1] فاطمہ کوئی ثمر نہ تھا	بازو تھے دونوں قوت بازو مگر نہ تھا

---

[1] حضرت امام حسینؑ مراد ہیں۔

باقی تھی آنکھ رونے کو نورِ نظر نہ تھا درد جگر تھا پر کوئی لختِ جگر نہ تھا
سب فوج الوداع شہِ دیں سے کہہ گئی
مظلومی و غریبی و تنہائی رہ گئی

زورِ بیان

ناگاہ ابر گرد رہ کوفہ سے اٹھا اور برچھیوں کی بجلیاں چمکیں جدا جدا
پیدا ہوا سوار زرہ پوش برملا بھالے لئے جلو میں ملازم پیادہ پا
ٹیڑھی کلاہ ترچھی نگہ نیمچا لئے
دیکھا اسے لعینوں نے اور سر جھکا لئے

طوفاں تھا وہ سوار سمندر تھا راہوار کشتی کی چال خانۂ زیں سے تھی آشکار
پہنچا جو وہ قریب تو بولے جفا شعار بھاگو ہوئی وہ مرگِ مفاجات آشکار
چہرہ ہے یا بلا ہے نگہ ہے کہ زہر ہے
گریہ محب حسین کا نکلا تو قہر ہے

پھر معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب نامی بصرہ کا ایک پہلوان ہے۔ جو کوفہ سے ہوتا ہوا شرکتِ جنگ کے لئے آیا ہے۔ عمر ابن سعد سے ملکر بالآخر حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں اسطرح رجز پڑھتا ہوا آتا ہے

سابق میں سر اٹھایا تھا دارا و سام نے آئے نہ خواب میں بھی مگر میرے سامنے
رونق یہ پہلوانی کو دی میرے نام نے بصرہ میں مجھکو باج دیا خاص و عام نے
قاروں کو جب میں چاہوں بلا لوں زمین سے
مثل سپر پہاڑ اٹھا لوں زمین سے

طرفین کی رجز خوانیوں کے بعد بالآخر پہلوان نے نیزہ کو سر کے گرد گردش دینا شروع کیا - اسپر حضرت امام حسینؑ نے بھی نیزہ اٹھایا ؎

بھالا سنبھالا شہ نے تو غل بر محل اٹھا
جانوں کی خیر ہو کہ وہ دستِ اجل اٹھا
لیتے ہی نیزہ لینے لگا باج راہوار
صرصر سے جست رعد سی غل برق سی شرار
جلنے لگے زمین پہ ذرّے سپند وار
دودِ سیاہ اٹھا عوض گردِ بیشمار
پر ذوالجناح صاف دھوئیں سی نکل گیا
ہاروتؔ تھا کہ اڑ کے کنوئیں سی نکل گیا

زورِ بیان

نیزہ کو اسکے لے گیا یوں نیزۂ جناب
جنگل میں جیسے داب لے کنجشک کو عقاب
زہ اسنے کی کمانِ کیانی بصد شتاب
لیکن کمان سمجھی کہ مجھ پر نہ ہو عتاب
جان اسکی ساتھ تیر کے سَن سے نکل گئی
اک سانس تھی یہی کہ دہن سے نکل گئی

نیزہ اور تیر کی جنگ کے بعد تلواریں میان سے نکالی جاتی ہیں حضرت امام حسینؑ کی ذوالفقار جب میان سے نکلتی ہے تو اسکے بارہ میں کہتے ہیں :-

آئی ندا فلک سے اُٹھا غل زمین سے
دیکھو وہ نکلا دستِ قضا آستین سے

ؔ ایک فرشتے کا نام ہے - جو چاہ بابل میں قید ہے - یہاں تمثیلی طور پر لایا گیا ہے ؂

جلدی سے بولہب نے لیا گرز گاؤ سر — خیر البشر کا لال اِدہر وہ شقی اُدھر
اور بیچ میں وہ گرزِ گراں بار الحذر — جسطرح واؤ عطف کا مابین خیر و شر
ظالم ارادۂ سرِ مولا کیئے ہوئے
اک گرز دونوں ہاتھوں کے اندر لیئے ہوئے

سو سو طرح سے گرز وہ لایا قریب تر — لیکن حسینؑ کو نہ ذرا بھی ہوا ضرر
شہ نے دو انگلیوں پہ سرِ گرز تھام کر — جھٹکا دیا کہ بولہب آیا زمین پر
ہاتھ اسکے دونوں ٹوٹ گئے رنگ فق ہوا
تبّت[1] یدا ابی لہب کا سبق ہوا

اس پہلوان کے مرنے کے بعد عمر ابن سعد نے کُل فوج کو ایک ساتھ حضرت امام حسینؑ پر حملہ کا حکم دے دیا۔ حضرت امام حسینؑ نیزے اور برچھیوں میں گھر جاتے ہیں۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ ؎

قرآں[2] کو رحلِ زیں سے زمیں پر گرا دیا
نوحہ کیا زمیں نے کہ فریاد کبریا
جلّاد آستین چڑھاتا ہوا چلا — خنجر کو انگلیوں پہ پھراتا ہوا چلا
بلوے کو راس و چپ سے ہٹاتا ہوا چلا — ارکان عرشِ حق کو ہلاتا ہوا چلا

---

[1] اشارہ ہے آیہ کریمہ کی طرف جس میں ابولہب کے ہاتھ ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ چونکہ میں پہلوان کا نام ابولہب تھا اسلئے یہ آیت یہاں خوب چسپاں ہوئی ہے ؏

[2] قرآں سے استعارہ حضرت امام حسینؑ کو کیا ہے ؏

اب کیا کہوں کہ پاؤں رکھا کس مقام پر
پھٹتا ہے سینہ حال جنابِ امام پر

غل پڑ گیا حسینؑ نے سر کو فدا کیا
اعدا نے جشنِ فتح کا ساماں بپا کیا
رخ شمر نے سوئے حرمِ مصطفےٰ کیا
اک نیزہ پر علم سرِ شاہِ ہدیٰ کیا
پردہ اٹھائے دیکھتی تھی خواہرِ حسینؑ
برچھی پہ اسکے آگے چڑھایا سرِ حسینؑ

زینبؑ نے ہائے بھائی کہا اور نکل پڑی
بانو نے پھینکی سر سے رِدا اور نکل پڑی
کبرؑا پکاری وا ابتا اور نکل پڑی
چلّائی فضہ ہائے خدا اور نکل پڑی
آگے تو بیحواس حرم روتے جاتے تھے
پیچھے پکارتے ہوئے سب بچّے آتے تھے

ناگاہ شہ کا لاشۂ بے سر نظر پڑا
سرتاج اہلبیت زمیں پر نظر پڑا
گویا گلو بریدہ پیمبرؐ نظر پڑا
زینبؑ کو غرق خوں جو برادر نظر پڑا
رکھکر کٹے گلے پہ گلا یوں لپٹ گئی
معلوم ہو رہا تھا کہ دُنیا الٹ گئی

اور شدّتِ رنج و الم میں حضرت امام حسینؑ کے نعش مبارک سے اسطرح خطاب کرتی ہیں :۔

غم انگیز

کیوں آپ کی سواری نہ سوئے وطن گئی
کیوں ساتھ آپکے نہ عدم کو بہن گئی
اس کربلا کے بَن میں یہ کیا تجھ پہ بن گئی
نیزوں سے دل تو چھن گیا چھاتی بھی چھن گئی

مرجاؤں گی تڑپ کے دلاسا شتاب دو
بھیّا کس آسرے سے جیوں میں جواب دو
بیمار تم نہیں کہ شفا کی رکھوں میں آس — جاتے اگر سفر میں تو پھر آتے میرے پاس
زخمی نہیں کہ زخم سیوں دھو کے سب لباس — قیدی نہیں کہ تم کو چھڑاؤں میں بھیج پاس
ہائے — اخی تو جان سے اپنی گذر گیا
میں آج مر گئی مرا سب کنبہ مر گیا

تیغوں سے جب قلم چمن مرتضٰی ہوا — مشتاق مرگ بادشہ کربلا ہوا
رخصت طلب حرم سے باآہ و بکا ہوا — خیمہ میں اہل بیت کے محشر بپا ہوا
ہر اک طرف کو دھوم تھی فریاد و آہ کی
تھرا رہی تھی قبر رسالتؐ پناہ کی
چھوڑا حرم کو خیمہ میں سرور نے بیقرار — نکلے درِ خیام سے با چشم اشکبار
نیوڑھائے سر کھڑا ہوا روتا تھا راہوار — جز بیکسی و غم نہ کوئی تھا رفیق و یار
آیا کوئی رکاب بھی شہ کی نہ تھامنے
تب رو دیا حسینؑ علیہ السّلام نے

حضرت امام حسینؑ جب روانہ ہوتے ہیں تو جناب سکینہؑ آپ کی

۱؎ سر جھکائے ہوئے ۔

صغیر سن صاحبزادی سامنے آکر عرض کرتی ہے ؎

مجھکو یتیم جانکے ہر اک ستائے گا
یہ کہیئے کون میری حمایت کو آئے گا

آخر یہ عرض کرتی ہیں ؎

سمجھاؤں کیا میں دل کو بتا دیجئے مجھے
روضہ پہ مصطفیٰ کے بٹھا دیجئے مجھے

حضرت امام حسینؑ حضرت سکینہؑ کے اس دردناک بیان پر اسطرح تلقین صبر فرماتے ہیں :-

تلقینِ صبر

شہ نے کہا یہ دھیان نہ تم کیجیو ذرا　　کوئی کہے یتیم تو مت مانیو بُرا
بیٹا! کسی کا باپ ہمیشہ نہیں جیا　　دنیا میں جو بقا ہے وہ اک روز ہی فنا
تم جاؤ گھر پدر ہے شہادت کے دھیان میں
مرتے[1] کے ساتھ مر نہیں جاتے جہان میں

زینبؑ کے پاس سے نہ کبھی ہوجیو جُدا　　اے میری جان کُرتا ہی تیرا پھٹا ہُوا
طعنہ نہ دیوے کوئی نہ مجھے دھیان ہی بڑا　　پانی پیئیں لعین جو تمکو دکھا دکھا
تم اسطرف نگاہ نہ خواہش سے کیجیو
عباسؑ کی قسم تمہیں مُنہ پھیر لیجیو

[1] مرتے کے ساتھ یعنی مرنے والے کے ساتھ ؛

تلقینِ خودداری

گر کوئی رحم کھائے تری بھوک پیاس پر کچھ چیز دے بوے بیکس و مظلوم جان کر
پھیلا نہ دینا ہاتھ کو اے عاشقِ پدر نامِ علیؓ و فاطمہؓ پر کیجیو نظر
کہتا ہوں اسلئے کہ نبی کی نواسی ہو
نادان ہو یتیم ہو اور بھوکی پیاسی ہو

جناب سیدالشہدا حرم سرا سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں۔

گردِ حسینؑ ہو گئی وہ فوجِ نابکار اک سینہ سو وہ نیزہ و پیکاں سوئے نگار
اک جانِ پاک جسکے خریدار سو ہزار اک حلق جسکے واسطے یہ پیاس بیشمار
اسپر بھی دھیان تھا انہیں یادِ آلہ کا
کیا حوصلہ تھا سبط رسالت پناہ کا

جنگ کرتے ہوئے آپ مجروح ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں آپ سجدے میں ہیں کہ شمر آپ کے جسم اطہر سے سر مبارک جدا کر دیتا ہے۔

مبالغہ

خورشید ہی دن کو مہ نو شرم سے گھٹ کر اغلب ہے کہ سیدھا فلک کج ہو الٹ کر
پانی ہوئی جاتی ہے گھٹا ڈھالوں کی پھٹ کر اک سونے کا نگ بنگئی ہے دھوپ سمٹ کر

ثابت ہے کہ سیارہ ہر اک ماند ہوا ہے
سیارے ہیں کیا شہر بدر چاند ہوا ہے

ہیبتِ حق

دیتی ہے فقط بے خبری کی خبر آمد یاں شور وہاں غل ادھر آمد ادھر آمد
بالائے شرافت ہے تو پیش نظر آمد اب سینے میں دم کی ہے در آمد نہ بر آمد

ہر تن کو ہے دشوار بچانا دل و جاں کا
شبیر کا آنا ہے کہ جانا دل و جاں کا

جناب امام حسینؑ کی آمد کے سلسلہ میں "جلوداری" کا ذکر کرتے ہوئے ایک بیت نہایت خوب کہی ہے ؎

اور پشت پہ حسرت کی نگاہیں ہیں حرم کی
تنہائی میں یہ فوج ہے سلطان امم کی

گھوڑے کی تعریف اسطرح کرتے ہیں ؎

ہے رعد صدا میں تو یہ ہے کبک ادا میں
یہ موج ہے دریا میں یہ بجلی ہے ہوا میں

جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے حسن کی تعریف میں یہ بیت ملاحظہ ہو ؎

چہرہ چمنِ قدرت خلّاقِ دو عالم
خورشید ہے اس باغ کا اک قطرۂ شبنم

عارض و ابرو کی تعریف میں یہ تشبیہی بیت ملاحظہ ہو :-

ابرو کا رُخ صاف میں پرتو نظر آیا
خورشید کے پلّے میں مہِ نو نظر آیا

دانتوں اور لبوں کی تعریف اسطرح کرتے ہیں -

سلکِ دُرِ دنداں کو عجب حُسن ملا ہے   یہ نور فقط ذکر الٰہی کا صلا ہے
گردش ہی سے تسبیح کے دانوں کو جلا ہے   دندان و لبِ پاک میں کیا ربط ہوا ہے

ان موتیوں کے دستے میں یاقوت اگر ہیں
یہ لعل وہ ہیں جنکی قرابت میں گہر ہیں

جناب امامؑ کے عارض انور سے پسینہ ٹپک رہا ہے - اس مضمون کے متعلق ایک بیت خوب ہے -

ہر بوند نے اک شیشۂ امید نکالا
رخسار نے عطرِ گلِ خورشید نکالا

اب واقعات ملاحظہ ہوں -

رَن کی تو صفیں جاتی ہیں دریا کے کنارے   دریا کے پرے آتے ہیں یاں خوف کے مارے
ایک ایک کو ٹھہرا کے یہ کرتا ہے اشارے   عباسؑ بہادر تھے سو دُنیا سے سدھارے

اب رَن میں یہ کس معرکہ آرا کی ہے آمد
وہ کہتا ہے عباسؑ کے آقا[1] کی ہے آمد

فوجِ شام کے خوف کو عمر ابن سعد یہ کہکر رفع کرتا ہے کہ :-

---

[1] یعنی حضرت امام حسینؑ ؎

شبیرؓ ہے انساں ملک الموت نہیں ہے

پھر کہتا ہے کہ :-

شبیرؓ تو کشتہ ہے بہتّر کے قلق کا

شاعر یہ بھول جاتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی روانگی کا ذکر کر چکا ہے - اب پھر ابتدائی حالات کا اعادہ کرتا ہے -

باہر شہِ دیں کو جو قضا خیمے سے لائی منہ دیکھ کے گردن فرسِ شہ نے جھکائی

تھامی جو رکاب آہ نہ بیٹا تھا نہ بھائی چلّائی بہن پڑے سے اللہ دُھائی

دم توڑا جو اکبر نے تو ایسا نہ قلق تھا

زینبؓ کے بُکا سُننے سے مُنہ شاہ کا فق تھا

جناب امام جب میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہونے لگے اسوقت آپ کی چھوٹی صاحبزادی کا یہ عالم تھا کہ ؎

چھٹ چھٹ کے سکینہؓ کمر شاہِ امم سے

ہر بار لپٹ جاتی تھی حضرت کے قدم سے

آپ میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں اور فوجِ شام کو مخاطب کر کے اسطرح درسِ عبرت دیتے ہیں -

دنیائے دنی خاک ہے کہنا مرا مانو اس خاک کی خاطر نہ کلیجہ مرا چھانو

جز ربّ غنی اوروں کو نابود ہی جانو اکبر سا جواں مرگیا اک دم میں جوانو

کیا کیا مہ و خورشید نگاہوں سی نہاں ہیں

جو صبح مرے پاس تھے اسوقت کہاں ہیں

فوجِ شام کے سنگدل سپاہی سخت الفاظ میں جواب دیتے ہیں، جناب امام حالتِ غیظ میں فرماتے ہیں ؎

لو دور ہو تیغِ دو زباں کھنچتی ہے رن میں
جاں ہوگی بدن میں نہ زباں ہوگی دہن میں

ندرتِ تمثیل

تلوار کا پھل پھول گیا شہ کے سخن سے قبضے نے ملی آنکھ کفِ نور فگن سے
یوں نکلا نیام کمر شاہِ زمن سے جیسے سخن حق کسی عارف کے دہن سے
چلائی شکست اوج گھٹا فوج عمر کا
لو حوصلہ نکلا وہ دلِ فتح و ظفر کا

اس تیغ نے چالاکی و چُستی جو دکھائی ستی رگ و ریشے میں شریروں کے سمائی
مُنہ زخموں نے پھیلا دیے لینے کو جماہی ڈھالوں کی طرح پیٹھ نڈھالوں نے جھکائی
خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار نئی تھی
انگڑائی کا لینا بھی کماں بھول گئی تھی

جناب امام کے حملہ کا بیان کرتے ہوئے حریف کی ہزیمت و بزدلی کا نقشہ ظریفانہ انداز کے ساتھ اسطرح کھینچا ہے ؎

اک جست میں گر گر پڑے اسوار زمیں پر
اسوار زمیں پر تھے تو رہوار تھا زیں پر

لہ مراد حضرت امام حسینؑ سے ہے ؏

صبحِ عاشورہ

مرزا صاحب شبِ عاشورہ کی اداسی کا نقشہ کھینچتے ہوئے محاکات کی یہ بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔

وہ صبح تھی یا آئینۂ حالِ شہیداں ہر ایک کو وارث نظر آنے لگے بے جاں
آنکھوں کے تلے پھرنے لگا موت کا ساماں زینبؑ کو سر اپنا نظر آنے لگا عریاں
بانو کی یہ فریاد تھی اے لوگو یہ کیا ہے
لاشہ مرے آگے علی اکبرؑ کا پڑا ہے

وہ روشنیِ صبح وہ جنگل وہ بیاباں وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا ساماں
ہر مرتبہ جنبش میں بہم برگِ درختاں اور شاخوں پہ وہ زمزمۂ مرغِ خوش الحاں
خورشید کی وہ جلوہ گری اوجِ سما سے
اور خیموں میں بجھنا وہ چراغوں کا ہوا سے

دُعا

سجادے کو ناگہ شہِ بیکس نے بڑھایا اور دستِ دعا کو طرفِ قبلہ اٹھایا
اللہ کو رو کر یہ بصد عجز سنایا یارب میں تری راہ میں مرنے کو ہوں آیا
اس رہ میں مجھے توشۂ تسلیم و رضا دے
منزل سے مدینے کے مسافر کو لگا دے

تو خالقِ غفار ہے میں بندۂ احقر مادر نہیں بابا نہیں نانا نہیں سر پہ
دشمن مرے لاکھوں ہیں اور انصار بہتّر اک خشک مرا حلق ہے اور سیکڑوں خنجر

میں یہ نہیں کہتا کہ ظفر دیجیو یا ربّ
مقبول شہادت تو مری کیجیو یا ربّ

یارب ہی خطرناک تیرے عشق کی منزل	یہ راہ رسولوں نے بھی کی قطع بہ مشکل
پر کچھ نہیں مشکل جو ترا فضل ہو شامل	معمور کر اب عشق سے اپنے تو مرا دل

سینے کو مرے مخزنِ تسلیم و رضا کر
ثابت قدمی تو مرے پاؤں کو عطا کر

اسکے بعد حضرت امام حسینؑ میدانِ جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں - حزن و ملال سے آپ کا یہ عالم ہے ۔

تھا کوئی نہ ایسا کہ جو غم شہ کا بٹائے	یا لاشۂ اکبرؑ سے انہیں آکے چھڑائے
تھا کوئی نہ ہمدم کہ جو ڈھارس ہی بندھائے	یا پیاسے کو پانی کی کوئی بوند پلائے

گہ ہوش میں تھے اور کبھی غش ہوتے تھے شبیرؑ
خود اپنی مصیبت پہ کھڑے روتے تھے شبیرؑ

وہ تیروں کی بوچھار وہ تیغوں کا چمکنا	اور شاہ کا وہ یاس سے ایک ایک کو تکنا
وہ زخم وہ پیکانوں کی نوکوں کا چمکنا	اور چہرے پہ عمامے کا کٹ کٹ کے لٹکنا

بیرحموں کے بس میں شہِ مظلوم پڑے تھے
اک شیر کو گھیرے ہوئے روباہ کھڑے تھے

مرقع نگاری

یارو حرم سرا میں قیامت کا وقت ہے
مشکلکشا کی آل پہ آفت کا وقت ہے
دن ڈھل چکا ہے شہ کی شہادت کا وقت ہے
رن میں غروب مہر نبوّت کا وقت ہے
زینبؑ کے دلکو بر میں اذیت نصیب ہے
خنجر سے بوسہ گاہِ پیمبرؐ قریب ہے

چھُپتا ہے چاند فاتح بدر و حنین کا
اب کوچ آخری ہے شہِ مشرقین کا
کُنبہ ہے پیاسا فاطمہؑ کے نورِ عین کا
خشکی میں ڈوبتا ہے سفینہ حسینؑ کا
مہمانوں پر یہ ظلم کسی نے کیا نہیں
چوبیسواں پہر ہے کہ پانی پیا نہیں

حضرت امام حسینؑ فوجِ اشقیا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :-

صفائی زبان

فرمایا شہ نے راہ پہ آؤ کہا نہیں
فرمایا خیر پانی پلاؤ کہا نہیں
پوچھا مرا قصور بتاؤ کہا نہیں
بولے تو پھر ہمیں نہ ستاؤ کہا نہیں
فرمایا گھر بلا کے اسیر تعب کیا
بولے تم آپ آئے ہو کس نے طلب کیا

حضرت امام حسینؑ بالآخر جوش میں آ کر فرماتے ہیں۔

اپنی نظر فقط مددِ کبریا پہ ہے
مسند ہو یا کہ قبر ہو تکیہ خدا پہ ہے
کچھ غم نہیں جو لشکرِ ناری ہوا پہ ہے
غالب یہ خاکسار فنا و بقا پہ ہے

لو دیکھ لو یہ معرکہ بھی یادگار ہے
غم کی یورش میں کیا یورش ذوالفقار ہے

تلوار کی تعریف

سنتا تھا یہ کہ جامہ سے باہر تھی ذوالفقار اور زیرِ قبضۂ شہ صفدر تھی ذوالفقار
ظالم رُکے کہ سدِّ سکندر تھی ذوالفقار جبتک رہی نیام میں بے پر تھی ذوالفقار
نکلی بس اور فدا ہوئی ابنِ بتولؑ پر
بلبل قفس سے چھوٹ کے جس طرح پھول پر

نزاکت خیال

کیا تیغ آبدار تھی جوہر سے خوش جمال منجدھار میں کھڑی تھی پری کھولے سر کے بال
جوہر تھے یا کہ سنبلہ کے بیچ میں ہلال یا صاف آئینہ تھی وہ شمشیر بے مثال
جوہر کے جن خطوں پہ خطوں کے گمان تھے
اہلِ نگہ کے تارِ نظر کے نشان تھے

میدانِ جنگ میں حضرت امام حسینؑ کی ہیئت کا اسطرح نقشہ کھینچتے ہیں :-

بر میں نبی کا جامۂ عنبر شمامہ ہے پر غرقِ عطرِ خونِ شہیداں وہ جامہ ہے
جوڑا سہانا اور گلابی عمامہ ہے طرّہ شہید ہونے کا اقرار نامہ ہے
مثلِ رفیق شملہ کے گوشے چھٹے ہوئے
گھر کی طرح امیدوں کے گلشن لٹے ہوئے

لہ حضرت امام حسینؑ)

آنکھوں سے ہیں رُعب علی آشکار ہے
سایہ بایک کا شہرہ دنبالہ دار ہے
گلگونہ کربلا کی زمیں کا غبار ہے
چہرہ دمِ اخیر گلِ نوبہار ہے
یوں خوش چلے ہیں باغ شہادت کی دید کو
جیسے نبی کے سامنے آتے تھے عید کو

ہر صف میں ہے پکار جناب حسینؑ آئے
ہاں یارو ہوشیار جناب حسینؑ آئے
دل سے کیا قرار جناب حسینؑ آئے
حیدرؑ کے ورثہ دار جناب حسینؑ آئے
لو آنکھ چار لاکھ کی جھپکاتے آتے ہیں
بجلی کو ذوالفقار کی چمکاتے آتے ہیں

لکھا ہے اک شجاع بڑھا فوجِ شام سے
لرزاں تھی روح سام کی جسکی حسام سے
پرویز کو گریز نہ تھی اسکے دام سے
ارکانِ روم کان پکڑتے تھے نام سے
اک پرتلہ زری کا گلے میں پڑا ہوا
قبضہ طلائی تیغ رواں پر چڑھا ہوا

اس پہلوان کا حضرت امام حسینؑ سے مقابلہ ہوتا ہے مگر حالت یہ ہوتی ہے کہ

سر پر جو ذوالفقار چڑھی مُنہ اُتر گیا

مبالغہ

بیٹھی جو خود پر تو وہ سر میں سما گیا
سر گردنِ نجس میں مع خود آگیا
گردن چھپی جو سینہ میں دل تھرتھرا گیا
بھاری تھا بوجھ موئے کمر پیچ کھا گیا

آئے ہیں خود سر کے یہ موبہ بل پڑا
مانند آبلہ کفِ پا سے نکل پڑا

حضرت امام حسینؑ کی تلوار کی تعریف میں کہتے ہیں

رستہ نہ تھا سرُں پہ پھری اور ہوا ہوئی — تیری لہو میں ڈوبی تری اور ہوا ہوئی
بدلی کی طرح مڑ کے گھری اور ہوا ہوئی — بجلی گرائی خود بھی گری اور ہوا ہوئی
پانی بھرا گھٹ نے یہ طوفاں عیاں ہوا
یا ارضِ ابلعی سبق آسماں ہوا

کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو — پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
نیّت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو — سینہ میں بغض و کینہ کو دلمیں فتور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں زبان میں یہ کاٹ آئی بات کو

عیسٰےؑ کیطرح اوج فلک پر چلی گئی — ظلمت میں صاف مثل سکندر چلی گئی
مانندِ نبض ہاتھ کے اندر چلی گئی — سینہ میں ٹھہری دم لیا باہر چلی گئی
ممکن نہیں کسی سے کمال اُسنے جو کیا
اڑنے دیا نہ رنگ کو چہرے پہ دو کیا

اب نماز کا وقت آتا ہے۔

ناگہ ندا سنی کہ عبادت کا وقت ہے — خنجر تلے قضا کی فضیلت کا وقت ہے

لہ اشارہ ہے حضرت موسٰیؑ کے اس قول کیطرف جو آپنے قارون کی بابت فرمایا تھا کہ "اے زمین اسے نگل جا"

شبّیرؑ بس نمازِ شہادت کا وقت ہے انگو دعا یہ بخشش امّت کا وقت ہی

اب تم ہو اور حضوریٔ معبود ہی حسینؑ
یہ سر جھکا کے بولے کہ موجود ہے حسینؑ

حضرت امام حسینؑ نماز کا وقت دیکھکر لڑائی سے ہاتھ روک لیتے ہیں

تیغِ رواں پہ قبضۂ حکمِ خدا رہا
تسمہ گلے میں جسکے لگا تھا لگا رہا

حضرت امام حسینؑ تیغ میان میں کرتے ہیں۔ اتنی مہلت پاکر فوج اشقیا میں غل ہوا کہ

ہاں میرے رستمو! نہ اماں دو حسینؑ کو
گھوڑے سے برچھیوں پہ اٹھا لو حسینؑ کو

اُمڈیں علی کے چاند پہ فوجوں کی بدلیاں اور سر پہ کوندنے لگیں تیغوں کی بجلیاں
وہ سامنے کے تیر وہ پہلو کی برچھیاں وہ انتہا کا ضعف وہ گردش میں پتلیاں

طاقت ہوئی جو طاق شہِ دیں پناہ کی
حسرت سے سوئے گنجِ شہیداں نگاہ کی

ناگاہ غل اٹھا کہ مبارک ہو اے عمر سینہ پہ شاہِ دیں کے چڑھا شمر بد گہر
راوی بیان کرتا ہے کانپا مرا جگر پہنچی یہ بارگاہ حسینی میں جب خبر

قبے گرے نہ پردہ نشینوں کو کل پڑی
اور اک معظمہؓ تو کھلے سر نکل پڑی

ؔ مراد حضرت زینبؑ سے ہے ؎

حضرت زینبؑ سے فوج اشقیا کا کوئی شخص پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں - حضرت زینبؑ جواب دیتی ہیں -

میں وہ ہوں جسکو چادر تطہیر آئی ہے
تم جسکو قتل کرتے ہو وہ میرا بھائی ہے

اتنے میں حضرت امام حسینؑ شہید ہو جاتے ہیں اور آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا جاتا ہے اسکے بعد حضرت زینبؑ حضرت امام حسینؑ کے نعش پر پہنچتی ہیں -

گھبرائی لڑکھڑاتی ہوئی آئیں لاش پر — پھیلا کے ہاتھ دیکھتی ہیں سینہ و جگر
کاندھے پہ ہاتھ رکھتی ہیں اور دیکھتی ہیں سر — ملتا نہیں جو سر تو یہ کہتی ہیں پیٹ کر
بینائی آنکھ میں نہیں دل غم سے پھٹ گیا
اے خوں بھرے بدن ترا سر بھی تو کٹ گیا

میر عشق

مناقب

کی جسنے ملکِ صبر کی شاہی حسینؑ ہے
جسنے مدد کسی سے نہ چاہی حسینؑ ہے
باغ جہاں سے خلد کو راہی حسینؑ ہے
آئی ہے جسکے گھر میں تباہی حسینؑ ہے

مرکے زیادہ قدر شہِ نیک خو ہوئی
پیاسے رہے تو پیشِ خدا آبرو ہوئی

مقبولِ خاص خالقِ عادل حسینؑ ہے
کشت رضا و صبر کا حاصل حسینؑ ہے
اسرارِ ذوالجلال کا حامل حسینؑ ہے
سب جانتے ہیں مومن کامل حسینؑ ہے

دل ابن بوترابؑ کے ماتم میں چاک ہے
صدمہ سے ہر بشر ہمہ تن مشتِ خاک ہے

غوّاص بحرِ تشنہ دہانی حسینؑ ہے
باغ و بہار منزل فانی حسینؑ ہے
دنیا میں فاطمہؑ کی نشانی حسینؑ ہے
پایا نہ جس نے پیاس میں پانی حسینؑ ہے

کیا صبر نے حسینؑ کے دل کو مزا دیا
اصغر سا چاند خاک کے نیچے چھپا دیا

صبح عاشورہ

پھوٹا جو رن میں روزِ دہم گلشنِ سحر
انجم چھپے تمام ہوا مہر جلوہ گر
اٹھا نماز پڑھکے یداللہ کا قمر
کھنچ کھنچ گئیں نیاموں سے تیغیں اِدھر اُدھر

مہماں کے قتل پر ستم ایجاد تل گئے
مشکلکشا کی بیٹیوں کے بال کھل گئے

سب صبح تک تھے ساتھ مگر عصر کے قریں شہ کے قریب دُور نہ تھا کوئی مہ جبیں
خالی ہوئے مکاں سوئے جنت گئے مکیں بادِ فنا سے گل ہوئے کیا کیا چراغِ دیں
میداں میں خون ماہ جبینوں کا بہ گیا
تارے[1] شفق میں ڈوب گئے چاند[2] رہ گیا

تاثیرِ درد

تا ظہر مر چکے جو دلیرانِ صف شکن آئے میانِ گلشن خیمہ شہِ زمن
گلہائے زخم سے تنِ شبیرؑ تھا چمن فرمایا اہلبیت سے لادو ہمیں کفن
جاتے ہیں مرنے کو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں
جلدی ملو کہ موت میں وقفہ ذرا نہیں

جناب امامؑ اپنی عزیز بہن حضرت زینبؑ کو اسطرح سمجھاتے ہیں۔

تن کانپتا ہے زیست سے بیزار ہو بہن سب جانتے ہیں صبر کی مختار ہو بہن
سمجھو تو بنت حیدرِ کرار[3] ہو بہن مایوس لطفِ حق سے نہ زنہار ہو بہن
سر ننگے ابن شاہِ نجف کو نہ دیکھنا
تم وقتِ ذبح میری طرف کو نہ دیکھنا

---

[1] رفقائے حسینی سے استعارہ ہے [2] استعارہ ہے۔ مراد حضرت امام حسینؑ سے ہے۔ [3] حضرت علی کا لقب ہے ۔

حضرت امام حسینؑ سب کو مضطر و مغموم چھوڑ کر عازمِ میدانِ کارزار ہیں اس طرف فوجِ شام کے کچھ لوگ جناب امامؑ کی مظلومی و تنہائی کے متعلق یہ گفتگو کر رہے تھے کہ۔

سبطِ نبیؐ کو تیر لگانا نہ چاہیئے
سیّد کو بے وطن کو ستانا نہ چاہیئے

ناگاہ جناب امامؑ اس شان سے تشریف لاتے ہیں ؎

ہے فرقِ پاک سیّد ذیجاہ خود میں
مصحف ہی آفتابِ درخشاں کی گود میں

اسی سلسلہ میں شاعر کہتا ہے

اندازِ بیان

کتنے ہی چار آئینہ ہیں ان کے واہ واہ
پہلے تو بیکسی و غریبی و درد و آہ
پھر حشمت و اعانتِ داور جلال و جاہ
ان سب کے بعد نور سحر آفتاب و ماہ

چار آئینہ سے لطف زرہ آشکار ہیں
آبِ بقا میں سونے کے نقش و نگار ہیں

جناب امام حسینؑ اتمامِ حجّت کے طور پر فوجِ شام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ دیکھو اب بھی اپنی شقاوت سے باز آؤ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا کچھ تو خوفِ خدا کرو۔ اسی سلسلہ بیان میں فرماتے ہیں

اتمامِ حجّت

محتاج ہوں تو غم نہیں زر مانگتا نہیں
آیا ہوں گھر کو چھوڑ کے گھر مانگتا نہیں

پانی بھی لو میں تشنہ جگر مانگتا نہیں کچھ تم سے فاطمہؑ کا پسر مانگتا نہیں

ظاہر میں تو غریب ہوں دل کا امیر ہوں
میں شاہ بے نیاز کے در کا فقیر ہوں

فوجِ شام کے شقی القلب لوگ جواب دیتے ہیں کہ پہلے تو آپ کے غرور کا یہ عالم تھا کہ بیعتِ یزید سے صاف انکار کر دیا۔ اب یہ اظہار عجز کیوں؟ جناب امام فرماتے ہیں کہ یہ اظہارِ عجز نہ تھا بلکہ اتمامِ حجت کا ایک آخری موقع تھا جسکا حق میں ادا کر چکا۔ اب تم میں سے جسکو مقابلہ کرنے کی ہوس ہو سامنے آئے۔ اسکے بعد جوش شجاعت میں آپ اس طرح فرماتے ہیں :-

بگڑیں جو ہم تو آنکھ تمہاری نہ چار ہو
لو کھینچتے ہیں تیغِ علی ہوشیار ہو

سپاہ شام اسلحہ سے آراستہ و پیراستہ حملہ کی غرض سے بڑھتی ہے۔ مرثیہ نگار زمینِ کربلا کی تصویر اسطرح کھینچتا ہے :-

نعلوں سے توسنوں کے جو یکبار چھن گئی
رن کی زمیں تمام زرہ پوش بن گئی

جناب امامؑ مصروفِ جنگ ہوتے ہیں

تلوار کی تعریف

تھا حق کا قہر تیغ شہنشاہ دیں نہ تھی چیں بر جبیں جو کوئی ہوا تو جبیں نہ تھی
چلائی موت ہاں تو یہاں بھی نہیں نہ تھی گو سب کہیں تھی تیغِ دو دم پھر کہیں نہ تھی

غصہ میں جس طرف شہِ عالی نسب گئے
پیدل جو تھے سواروں کی لاشوں سے دب گئے

ابرِ جفا میں کوند کے آئی چلی گئی — چمکی گری لہو میں نہائی چلی گئی
کی قیدِ تن سے دم کی رہائی چلی گئی — زرہوں کی کر کے عقدہ کشائی چلی گئی
ڈھالوں کی جب چمک کے سیاہی وہ کھو گئی
چلائی فوجِ شام کہ لو صبح ہو گئی

نقشۂ جنگ

کاٹے تھے تیغ نے جو سرِ فوجِ بد خصال — تھی خاک کربلائے معلیٰ تمام لال
کرتا تھا کاوے مرکبِ مولا دمِ جدال — گھوڑے سوار تھے روشِ سبزہ پائمال
اٹھا غبارِ سرخ جو گلگوں[1] کے گشت سے
غل تھا شفق چلی ہے سوئے چرخ دشت سے

الغرض جناب سید الشہدا جنگ کرتے ہوئے خود بھی مجروح ہو جاتے ہیں۔ دشمن ہر طرف سے گھیر کر حملہ کرتے ہیں۔ یہانتک کہ آپ فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں۔ اور اسی حالت میں نماز ادا فرمانا چاہتے ہیں کہ شمرِ سیہ قلب آپ کے جسمِ مبارک سے سرِ اطہر جدا کر دیتا ہے ؀

طلبِ استعانت

سنبھال دونوں جہان کے سنبھالنے والے — سروں سے کوہِ مصیبت کو ٹالنے والے

[1] گھوڑا مراد ہے ؀

رہِ نجات کی صورت نکالنے والے پناہ دے مجھے اے میرے پالنے والے

رحیم کون ہے تجھ سا بھلا جہاں جاؤں
بتا مجھے ترے در کے سوا کہاں جاؤں

اعترافِ کرم

ہمیشہ رحم و کرم ذو الجلال فرمایا کئے قصور نہ تو نے خیال فرمایا
قبول خاطرِ اہلِ کمال فرمایا ریاضِ دہر میں کیا کیا نہال فرمایا

دیا وہ نام کہ پروا نہیں امیری کی
کہاں کہاں تری رحمت نے دستگیری کی

حمد

قصور اور کسی کا اگر ذرا کرتا تری قسم نہیں معلوم حال کیا کرتا
خطائیں دیکھ کے یہ آبرو عطا کرتا کیا جو تو نے یہ کوئی نہ اے خدا کرتا

رحیم و غافر و ستّار نام تیرا ہے
گناہگار کو بخشے یہ کام تیرا ہے

شانِ ستّاری کے متعلق ایک جگہ کہتے ہیں۔

نہ آشکار کسی عیب کو کیا تو نے
اڑھا کے دامنِ رحمت چھپا لیا تو نے

دنیا و آخرت کے سلسلۂ بیان میں ایک بیت خوب ہے۔

کوئی یہاں نہ وہاں آبرو بچائے گا
جہاں بچائیگا اللہ تو بچائے گا

ایک بیت اور ملاحظہ ہو

رحیم مونسِ وحشت جو نور تیرا ہو
ضیائے شمس مری قبر کا اندھیرا ہو
اٹھاؤں سر کو خجالت سی غیر ممکن ہے ڈروں نہ تیری عدالت سی غیر ممکن ہے
امید قطع ہو رحمت سے غیر ممکن ہے فرار تیری حکومت سے غیر ممکن ہے
گناہگار بھلا جائے گا کہاں تیرا
زمین تیری ہے معبود آسماں تیرا

شرم گناہ

کئے ہیں جرم سراسر حجاب آتا ہے مآل سوچ کے اکثر حجاب آتا ہے
مجالِ عرض ہو کیونکر حجاب آتا ہے دعایں بھی مجھے داور حجاب آتا ہے
جو حیلے رزق کے ہیں موت کے بہانے ہیں
عجب عجب تری قدرت کے کارخانے ہیں

اسکے بعد شاعر جناب امام حسینؑ کے عزمِ جنگ کی طرف چند اشارات کرکے فوجِ شام کا ذکر اسطرح کرتا ہے کہ

مبالغہ

حواس فوج کا ہے گم عجب تلاطم ہے نہیں ہے تابِ تکلّم عجب تلاطم ہے
نہ ہے فغاں نہ تبسّم عجب تلاطم ہے پکارتا ہے تلاطم عجب تلاطم ہے
یہ زلزلہ ہیں ہے وہ بار بار جھکتا ہے
نہ اب زمین نہ اب آسمان رکتا ہے

مرثیہ نگار دشتِ کربلا کی قیامت خیز گرمی کا ذکر اس طرح کرتا ہے

ہزاروں پیشِ نظر بجلیاں چمکتی ہیں درخت آگ کے ہیں ٹہنیاں چمکتی ہیں
پہاڑ شعلہ بنے چوٹیاں چمکتی ہیں عیاں ہے ذرّوں سے چنگاریاں چمکتی ہیں

سقر بنا ہے بیاباں ہوا جلاتی ہے
ادہر ادہر سے جہنّم کی آنچ آتی ہے

جناب امام حسینؑ میدانِ کارزار میں آکر معرکہ آرا ہوتے ہیں اور بالآخر شہید ہو جاتے ہیں۔ ناموسِ حسینی ماتمکدہ بن جاتا ہے ؛

حقیقت شناسی

یکتا ہوں میں عبث ہی جسے یہ خیال ہے ہے دوسرا ابھی ایک جو صاحب کمال ہے
شایاں فقط تجھی کو کمال و جلال ہے حقا کہ تیری ذات عدیم المثال ہے

انسان اپنی اصل کو پہچانتا رہے
ہوں ایک مشتِ خاک یہی جانتا رہے

اسی سلسلۂ بیان میں ایک بیت خوب ہے۔

جس پر ہو تیری مہر وہی لاجواب ہے
کیا جانے کون ذرّہ ہے کون آفتاب ہے

شاعر اسکے بعد واقعۂ کربلا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

واقعہ نگاری

تھے صبح تک تو گرد رفیقانِ لاجواب پروانوں میں تھے شمع ستاروں میں آفتاب
تا ظہر سوئے خاک پہ افسوس ماہتاب گویا کیا شہیدوں نے مقتل میں پاتراب
تیر آرہے تھے لون میں شہ مشرقین تھے
لاکھوں کا تھا ہجوم اکیلے حسینؑ تھے

تنہا کھڑے تھے خون میں تر کون دیکھتا تھے داغدار قلب وجگر کون دیکھتا
تھا انتہا کا ضعف بصر کون دیکھتا صدمے سے جھک گئی تھی کمر کون دیکھتا
آیا جو پاس ہو کے پریشان ہٹ گیا
کہتی تھی بیکسی کہ دم اسدم الٹ گیا

یہ گرم تھا لباس کہ اللہ کی پناہ چھائی ہوئی تھی یاس کہ اللہ کی پناہ
دل اسقدر اداس کہ اللہ کی پناہ چلا رہی تھی پیاس کہ اللہ کی پناہ
دانتوں میں خشک ہونٹ دم اضطراب تھے
یاقوت[۱] موتیوں[۲] سے طلبگار آب تھے

آنکھیں ملیں جو دھوپ سے تارِ نظر جلے جب آئے مرغ تیر بگولوں میں پر جلے
دریا بنا تنور صدف میں گہر جلے آیا جدھر سموم کا جھونکا شجر جلے
تھا رنگ لال آگ کے دریا سراب تھے
سیخیں بنی تھیں ڈالیاں غنچے کباب تھے

---

۱ لبوں سے استعارہ کیا ہے ۲ دانتوں سے استعارہ کیا ہے ؂

جناب امام حسینؑ فوجِ شام کو مخاطب کر کے دنیا کی بے ثباتی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

صحرا یہ وہ ہے آ کے مسافر جہاں لُٹے اس منزلِ مہیب میں پیر و جواں لُٹے
کس کس طرح کے قافلے اکثر یہاں لُٹے پھر دیکھیے تو کچھ نہیں کھلتا کہاں لُٹے
اتنی بھی تو خبر نہ ملی حال کیا ہوئے
ہیں صاحبانِ مال کہاں مال کیا ہوئے

اسی سلسلۂ بیان میں ایک بیت خوب ہے۔

پائی نہ راہ پھر جو یہاں آ کھڑا ہوا
گلیوں میں رات دن ہی اندھیرا پڑا ہوا

جناب امام حسینؑ سلسلۂ تقریر میں فوجِ شام کو اپنے حقوق یاد دلاتے ہیں اور خوفِ خدا کا درس دیتے ہیں لیکن سنگدل دشمن اسکا جواب زبانِ تیغ سے دینا چاہتے ہیں۔ اسی وقت جناب امام حسینؑ پر جوشِ غضب طاری ہو جاتا ہے۔ آپ نعرہ زن ہوئے۔ مرثیہ نگار اس حالت کی تصویر ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔

جس جا تلک کہ نعرۂ شہ کی صدا گئی جو شئے تھی جس جگہ حرکت میں وہ آ گئی
صحرائے کربلا میں جہاں تک ہوا گئی چمکی قلق کی برق گھٹا غم کی چھا گئی
آپس میں سر پہاڑوں نے جھک کر ملا دیئے
مظلوم کی صدا نے کلیجے ہلا دیئے

مرثیہ نگار پھر اسی کیفیت کو اسطرح نمایاں کرتا ہے۔

سنبھلے تو درد چھوڑ کے ہر زخم تن گیا
بگڑے تو ضعف زور ید اللہ بن گیا

جنابِ امام حسینؓ بے دھڑک فوجِ شام کے دریا میں پھاند پڑتے ہیں۔

ٹھہرے کہیں وہاں سی بہا تنکٔ راہ میں — آئے بڑھے چلے گئے قلبِ سپاہ میں
کیا دل ہے واہ شور یہ تھا رزمگاہ میں — ایسا نہیں ہے کوئی بہادر نگاہ میں
تھی گردش آسمان کو سکتا زمین کو
لاکھوں میں تھے چڑھائے ہوئے آستین کو

آخر کار جنابِ امام حسینؓ جنگ کرتے ہوئے مجروح ہو جاتے ہیں اور شمر حضرت کے تنِ اقدس سے سر مبارک اتار لیتا ہے۔

صبحِ عاشورہ

کھینچی جو پیرِ چرخ نے شمشیرِ آفتاب — بس آئی صبحِ قتلِ جگر بندِ بوترابؒ
بدلی ہوا سیاہ بڑھی صورتِ سحاب — شمشیروں نے دکھائی مہِ نو کی آب و تاب
ڈر سے نسیمِ جان بچا کے نکل گئی
رن میں کرن نکلتے ہی تلوار چل گئی

ؒ یعنی حضرت امام حسینؓ۔

سرتاقدم عرق میں نہایا کئے حسینؑ — رہ رہ کے قتل گاہ میں جایا کئے حسینؑ
احباب جاں نثار کو لایا کئے حسینؑ — لاشے بہادروں کے اٹھایا کئے حسینؑ
تاریک چشم شاہ میں دن مثل شب ہوا
نوبت جب آئی ہاشمیوں کی غضب ہوا

دردا ہوا عقیل کے پوتوں کا انتقال — زینبؓ کے لال ہو گئے زمیں لہو سے لال
قاسمؓ کی لاش ہو گئی گھوڑوں سے پائمال — توڑا قضا نے بازوئے سلطانِ خوش خصال
پکڑے کمر گئے جو فدائی کی لاش پر
غش آگیا حسینؑ کو بھائی کی لاش پر

اکبرؓ پے جہاد چلے تیغ کی علم — مڑ مڑ کے دیکھتے تھے سوئے شاہ دمبدم
ڈر تھا کہ گر پڑیں نہ قلق سے شہِ امم — جبتک لڑا وہ شیر نہ تھا شہ کے دم میں دم
نیزہ دلِ شبیہ نبیؐ پر جو چل گیا
بولے حسینؑ آہ کلیجہ نکل گیا

گھوڑے سے گر کے یوسفِ شبیرؓ مر گئے — غل تھا کہ جیتے جی شہِ دلگیر مر گئے
خیمہ سے لائے شاہ لگا تیر مر گئے — اکبرؓ کے بعد اصغرؓ بے شیر مر گئے
تنہا تھے شاہ سامنے فوجیں کھڑی ہوئیں
طوسی لباس خون کی چھینٹیں پڑی ہوئیں

رونے کی بیبیوں کے صدا آئی ناگہاں — ڈر تھا نکل نہ آئیں نبیؐ کی نواسیاں
گرتے ہوئے محل میں گئے سرورِ زماں — گویا ہوئے پکار کے سلطانِ انس و جاں

سر پیٹنے کی جا نہ محل یہ فغاں کا ہے
مانگو دعائیں صاحبو وقت امتحاں کا ہے

خیمہ سے گریہ و زاری کی آواز سُنکر امام خیمہ میں جاکر سب کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ اور تیار ہو کر باہر تشریف لاتے ہیں۔

بولے بہن سے جاؤ بہن رو رہی ہو کیا — لادو کوئی پھٹا ہُوا کُرتا کوئی قبا
سمجھیں کرینگے شہ کسی محتاج کو عطا — لے آئیں جلد دوڑ کے زینبؑ برہنہ پا
ہر جا سے اسکو چاک کیا تشنہ کام نے
پہنا لباس جنگ کے نیچے امام نے

جناب امام کے تمام رفقا و عزیز جامِ شہادت نوش کر چکے اور آپ یکّہ و تنہا رہ گئے۔

جذباتِ غم

دیکھا ادھر ادھر نظر آیا نہ کوئی ماہ — خاک اڑ رہی تھی شہ کا جلو خانہ تھا تباہ
اور آ گئی قریب بہت شام کی سیاہ — جلدی ہوا سوار مدینہ کا بادشاہ
حسن و جمال اکبرؑ و اصغرؑ نظر میں تھا
برچھی تھی دل میں تیر سہ پہلو جگر میں تھا

دو لاکھ پر چلے تھے عجب شان سے امام — آلودۂ غبار تھی سب زلف مشک فام
تھا زرد فرطِ غم سے رخِ سیدِ انام — حضرت سے تھا یہ بیکسی و یاس کا کلام
اے از ازل بماتم تو در بسیط خاک
گیسوئے شام باز و گریبان صبح چاک

جناب امام نے فوجِ شام کے سامنے پہنچکر اتمام حجت کے طور پر کچھ نصائح فرماتے ہیں۔ لیکن سنگدلوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ آمادۂ جنگ ہوتے ہیں۔

اسلوبِ بیان

اعدا سے بولی موت کہ ہے انتظار کیا　　حسرت سے مُنہ کئے ہوئے سوئے ذوالفقار کیا
آئے نہ آئے دم کا بھلا اعتبار کیا　　بولو زباں چلے نہ چلے اختیار کیا
پیش نگاہ تیغِ امام[1] حجاز ہے
توبہ کرو ابھی تو درِ توبہ باز ہے

لشکر سے ایک بار چلے تیر اسقدر　　خورشید کی شعاع چھپی رن میں الحذر
تھی دھوپ چھاؤں ہو گئی بیکس حسینؑ پر　　سَن سَن کی آ رہی تھیں صدائیں اِدھر اُدھر
چھد چھد گئے طیور جہاں گوشہ گیر تھے
کانٹوں کی شکل رَن کے درختوں میں تیر تھے

معرکہ آرائی

جب کھائے تیر شاہ کے تیور بدل گئے　　اُٹھے سبھوں کے پاؤں جو دو ہاتھ چل گئے
گھوڑا اڑا کے یوں دمِ جنگ و جدل گئے　　فوجوں کے اُس طرف شہِ والا نکل گئے
پامالِ فوج ظالم بد خواہ ہو گئی
لشکر میں صاف ادہر سے ادہر راہ ہو گئی

[1] یعنی حضرت امام حسینؑ

غصّے میں راہوار کہ اللہ کی پناہ خونبار ذوالفقار کہ اللہ کی پناہ
چاروں طرف پکار کہ اللہ کی پناہ چھایا ہوا غبار کہ اللہ کی پناہ
زخمی تڑپ رہے تھے سنبھلنا محال تھا
جانوں کو مارے ڈر کے نکلنا محال تھا

جناب امام زخموں سے چور ہو چکے ہیں اور شدّتِ تشنگی سے یارائے ضبط نہیں ۔ یہ حالت دیکھ کر

نکلے سوار فوج سے چمکا کے برچھیاں شہ کو لگائیں سب نے قریب آ کے برچھیاں
ڈوبیں لہو میں دلبرِ زہرؑا کے برچھیاں فرما رہے تھے شکرِ خدا کھا کے برچھیاں
ہوتے تھے وار دھوپ میں زہرؑا کے ماہ پر
تیغیں تھیں شکلِ چترِ سرِ بادشاہ پر

آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور قبلہ رو ہو کر مصروف نماز ہوئے اسی حالت میں شمر نابکار سرِ مبارک جسم اطہر سے جدا کر دیتا ہے ؂

واقعہ نگاری

اس دھوپ میں یہ شکلِ شہِ خوشخصال تھی آنسو ٹپک رہے تھے طبیعت نڈھال تھی
نیچے جہاں لہو سے زمینِ رن کی لال تھی تلوار بیقرار تھی پر گرد ڈھال تھی
صدمے مسافری میں ہزاروں گذر گئے
حضرت کی گود میں علی اصغرؑ بھی مر گئے

واقعاتِ کربلا کے سلسلۂ بیان میں شاعر کہتا ہے کہ

تھی دوپہر قریب کہ سب قتل ہو گئے
شبیرؑ جاگتے رہے جانباز سو گئے

حضرت امام حسینؑ اپنے فرزند کو سپردِ لحد کر کے حرم میں تشریف لے گئے اور حضرت زینبؑ سے فرمایا کہ حضرت علی اصغرؑ بھی شہید ہو چکے۔ اب تم سے آخری ملاقات کے لئے آیا ہوں۔

اسکے بعد آپ اپنے فرزند حضرت سجادؑ کے پاس تشریف لے گئے حضرت سجادؑ اس درجہ بیمار ہیں کہ اٹھنے کی بھی طاقت نہیں۔

کچھ ہوش میں جو حضرتِ سجادؑ آ گئے ۔۔۔ دیکھا پدر کو ابرِ غم و یاس چھا گئے
بالکل عرق میں عابد مضطر نہا گئے ۔۔۔ سارے نشان اپنی یتیمی کے پا گئے
چھائے تھے ابرِ ضعف دلِ رشکِ ماہ پر
تکیے سے سر اٹھا کے دھرا پائے شاہ پر

گردن میں شہ کی ڈال دیے دستِ عشہ دار ۔۔۔ سب عضو جل رہے تھے یہ شدت سے تھا بخار
جھک کے کیا امامِ غریب الوطن نے پیار ۔۔۔ تفویض کر دیے انہیں اسرارِ کردگار
بیہوش فرطِ رنج سے وہ ناتواں ہوئے
راہی برائے جنگ امامِ زماں ہوئے

لے عابد و سجاد دونوں نام جناب امام کے ایک ہی صاحبزادے کے ہیں ؎

جناب امام ذوالجناح پر سوار ہو کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوا ہی چاہتے تھے - یکایک آپ کو کچھ آہٹ معلوم ہوتی ہے - پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں - تو آپ کے صاحبزادے حضرت عابد بیمار موجود ہیں - ضعف و نقاہت سے چہرہ زرد ہو رہا ہے - فرشِ خاک پر گر پڑے ہیں - جناب امام تلقینِ صبر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ؎

شکوہ نہ بخت سے ہے نہ سپاہِ جفا سے ہے
بیٹا معاملہ ہمیں اپنے خدا سے ہے

الغرض جناب امام فرزند کو سمجھا کر خیمہ میں بھیجتے ہیں اور خود میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوتے ہیں -

ناموسِ شاہ نالہ و آہ و بکا میں تھے — تنہا حسینؑ لشکرِ اہلِ جفا میں تھے
تلوار چل رہی تھی ستمگر بلا میں تھے — سب ذوالجناح و تیغِ علی کی ثنا میں تھے
دو ہو کے جو گرا وہیں پامال ہو گیا
گھوڑے کے پاؤں تیغ کا منہ لال ہو گیا

فوجِ شام کے چار مشہور پہلوان حملہ آور ہوتے ہیں -

معرکہ آرائی

دشمن کی تیغ آتے ہی نزدیک سر پھری — جو آفت آئی پاس رکی اور ادھر پھری
چاروں طرف امامِ زمن کی نظر پھری — وار اُن کے رد ہوئے شہِ دیں کی سپر پھری
تیغِ دو سر کا مثلِ علی وار کر دیا
ہر وار کو حریفوں کے بیکار کر دیا

چاروں کے زخم لگ گئے طرفہ مزا ہُوا گھبرا گے ایک ایک سے بولا یہ کیا ہوا
چلائی موت میری بن آئی بھلا ہوا جاؤ گے اب کہاں کہ بُرا سامنا ہوا
کیا بھاگیے نظر شہِ والا سے لڑ گئی
اُٹھے نہ پاؤں موت کی زنجیر پڑ گئی

آپ کی تیغِ بے پناہ نے تین حریفوں کو خاک و خون میں ملا دیا، چوتھے حریف کو قدر اندازی کا دعوے تھا چنانچہ آپ تلوار روک کر تیر سر کرتے ہیں۔

حُسن کشش سبھوں کے دلوں میں سما گیا چلّا کماں کا گوشِ منوّر تک آگیا
کانپا ہر ایک زاغِ کماں خوف چھا گیا تا کا جو دل عدو کا پیاہم قضا گیا
بولا نکل کے تیر نشانے سے پار ہوں
چلّا کے مرغِ دل نے کہا میں شکار ہوں

تشبیہات

سَن سے خدنگِ سیّد خوشخو نکل گیا شہباز مرگ جوڑ کے بازو نکل گیا
ہو کر دلِ عدو میں ترازو نکل گیا تیرِ شہاب توڑ کے پہلو نکل گیا
اسطرح نکلا جسم عدوئے آلہ سے
غل تھا پری نکل گئی کوہِ سیاہ سے

واقعہ نگاری

دوڑی تمام فوج ہزاروں میں گھر گئے زخمی ہوئے حسینؑ سواروں میں گھر گئے
واحسرتا کہ ظلم شعاروں میں گھر گئے گلگوں قبائے فاطمہؑ خاروں میں گھر گئے

گھوڑے کا دم وفورِ حرارت سے چڑھ گیا
حضرت کی آنکھیں بند ہوئیں ضعف بڑھ گیا

محاکات

مالائے خاک بیٹھ گیا اسپِ خوش نگاہ — زخموں میں خاک بھر گئی حالت ہوئی تباہ
لٹکے زمین پر قدم شاہِ دیں پناہ — گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا علی کا ماہ
مڑ مڑ کے رخش تکنے لگا اضطراب سے
طاقت نہ تھی کہ پاؤں نکالیں رکاب سے

جناب امامؑ فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں۔ اسی حالت میں شمر نا ہنجار آپ کو شہید کر دیتا ہے ٭

جنابِ امامؑ میدانِ کربلا میں آمادۂ جنگ ہیں۔ شاعر ان لفظوں میں نقشہ کھینچتا ہے۔

چہرہ عرق آلود ہی کہ دھوپ کے مارے — ہے طرفہ مزا جمع ہوئے چاند میں تارے
سینہ کے جراحت جو کھلے جاتے ہیں سارے — کرتا ہی دلِ شاہ بیاباں کے نظارے
وا ہیں دہنِ زخم دعا کرتے ہیں شبیرؑ
گویا ہمہ تن شکرِ خدا کرتے ہیں شبیرؑ

ذوقِ شہادت

دل آج اُٹھاتا ہی عجب طور کی لذّت — بھرتی ہی جو زخموں میں ہوا ہوتی ہی فرحت

دریا کی یہ لہریں یہ مجھے پیاس کی شدّت پیمانۂ دل ہیں ہے لبالب مے عشرت
ہیں رونقِ دل داغ فراواں یہ خوشی ہے
ہے خانۂ ماتم میں چراغاں یہ خوشی ہے

دل کو خطرِ زانوئے قاتل بھی نہیں ہے مشکل ترے الطاف سے مشکل بھی نہیں ہے
کچھ دُور ترے عشق کی منزل بھی نہیں ہے جز تیغ کوئی راہ میں حائل بھی نہیں ہے
آپس میں وداع تن و سر ہوتی ہے مولا
ہے ایک مہم آج وہ سر ہوتی ہے مولا

دنیا کے لئے پھر گئیں اعدا کی نگاہیں کیا کام ہے آرام یہ چاہیں کہ نہ چاہیں
تو نے تو نکالیں طرب و عیش کی راہیں پر آہ نہ کیں خوب ترے عشق میں آہیں
افسوس رہی بنجیری ڈر کے نہ جاگا
راتوں کو تری یاد میں جی بھر کے نہ جاگا

سیدھے ہوئے یہ کہہ کے جناب شہِ والا تھے تیر جو پیوست انہیں تن سے نکالا
زلفوں کو سر دوش لہو پونچھ کے ڈالا کج ہو گئی تھی خود کی کلغی کو سنبھالا
ضرغام قدیر ازلی بن گئے شبیرؑ
اشرار میں غل تھا کہ علیؑ بن گئے شبیرؑ

اللہ کی شمشیر[1] نے شمشیر علم کی اشجار جلے دھوپ میں وہ برق جو چمکی
پردار اڑے وحشیوں نے خوف سے رم کی نبضیں نہ ملیں جادۂ صحرائے ستم کی

[1] مراد جناب امام حسینؑ سے ہے ؎

تھی ہاتھ میں شمشیر دو سر ساتھ کھڑے تھے
کیا دو مہ نو خطِ شعاعی میں جڑے تھے

جناب امام مصروفِ جنگ ہیں - کشتوں کے پشتے لگا دئے ہیں - تلوار کی تعریف ملاحظہ ہو -

تلوار کی صفائی

وہ صورتِ دم سینوں میں آ تا کبھی جانا — تھی یہ صفتِ روح لطافت میں یگانا
دیکھے وہ سبھوں کو اُسے دیکھے نہ زمانا — تھا ذکر کہ دشوار ہے جانوں کا بچانا
یارائے نظر اسکی صفائی نہیں دیتی
یہ کیا کہ ہمیں میں ہی دکھائی نہیں دیتی

جناب امام خود بھی زخموں میں چُور ہیں - لیکن جوشِ شجاعت کا یہ عالم تھا کہ

لشکر شکنی کر رہے تھے سیّدِ والا — گھوڑا کبھی اسمیں کبھی اس غول میں ڈالا
ناگاہ ہوا سُست ید اللہ کا پالا — حسرت سے نظر کی طرفِ عالمِ بالا
آثارِ زوال آئے نظر چرخِ بریں پر
بس تیغِ علیؑ میان میں تھی آپ زمیں پر

آخر کار آپ یہ کہتے ہوئے فرشِ خاک پر گر پڑے ؎

چلتے ہیں یہاں دیر نہیں ایک نفس کی
تم دور ہو آتی نہیں آوازِ جرس کی

تھا شور ملی خاک میں زہرؑا کی کمائی — چلائی سکینہؑ کہ دوہائی ہے دوہائی

بس ظلمتِ غم خیمۂ شبیرؑ میں چھائی زینبؑ نے کہا اب نظر آتے نہیں بھائی
کیا مضطرب الحال وہ پیاسی نکل آئی
افسوس محمدؐ کی نواسی نکل آئی

مناقب

پیدا ہوئے حسینؑ صداقت کے واسطے چمکا یہ نور عالمِ ظلمت کے واسطے
آئے جہاں میں رنج و مصیبت کیواسطے حاضر ہے بھوک پیاس شہادت کیواسطے
خواہاں تھے شوق وصلِ خدا میں وصال کے
ڈوبے لہو میں کشتیِ دیں کو سنبھال کے

ایسے شجاع ہیں کہ شجاعت کو ناز ہے ایسے کریم ہیں کہ سخاوت کو ناز ہے
ایسے غریب ہیں کہ مصیبت کو ناز ہے ایسے شہید ہیں کہ شہادت کو ناز ہے
فرمایا بد دعا نہ کرینگے کبھی نہ کی
بیعت کو کہدیا نہ کرینگے کبھی نہ کی

حلم و ضبط

ہیں اہل شام دشمنِ دیں یہ نہیں کہا انکو خدا کا خوف نہیں یہ نہیں کہا
کیا کیا اذیتیں مجھے دیں یہ نہیں کہا ناری ہیں بیوفا ہیں لعیں یہ نہیں کہا
فرمایا کلمہ پڑھتے ہیں پہچانتا ہوں میں
یہ مجھ سے آشنا ہیں انہیں جانتا ہوں میں

عشقِ خدا کے شرائط بیان کرتے ہوئے مرثیہ نگار ایک جگہ کہتا ہے کہ

پھر ہے یہ شرط اٹھائیں تعب اسکے سامنے　　تلواریں کھائیں عاشقِ رب اسکے سامنے
ڈوبیں لہو میں اہلِ ادب اسکے سامنے　　اولاد اسکی قتل ہو سب اسکے سامنے
ساتھ اسکے ہے یہ شرط نہ مطلق گلا کرے
اولاد ہو جو قتل تو شکرِ خدا کرے

احباب کوچ کر گئے شکرِ خدا کیا　　پیارے لہو میں بھر گئے شکرِ خدا کیا
زینبؑ کے لال مر گئے شکرِ خدا کیا　　ابنِ حسنؑ گذر گئے شکرِ خدا کیا
دل سے کہا کہ اشک نہ ڈھلنے کی شرط ہی
غم کو یہاں خوشی سے بدلنے کی شرط ہی

اکبرؑ نے کی تڑپ کے قضا کچھ گلا نہ تھا　　بیٹا جوان قتل ہوا کچھ گلا نہ تھا
تھے آپ محوِ حمدِ خدا کچھ گلا نہ تھا　　آنکھوں میں غم سے نور نہ تھا کچھ گلا نہ تھا
گذری جو کچھ گزر گئی دل پر امام کے
اسدم بھی مسکرائے مگر دلکو تھام کے

ہے شرط اسی جگہ کہ خدا پر نظر کرے　　صوم و صلوٰۃ و حمد و ثنا میں بسر کرے
روزے میں جنگ صبح سے تا دوپہر کرے　　جز ابن فاطمہؑ یہ مہم کون سر کرے
شہ یوں لئے تھے لاشۂ نورِ[1] نگاہ کو
دیتا ہے جیسے نذر کوئی بادشاہ کو

[1] حضرت اصغرؑ کیطرف اشارہ جو جناب امام کے شیر خوار بچہ تھے اور دشتِ کربلا میں تیرِ ستم کا نشانہ ہوئے۔

طلب استقامت

تھی حق سے التجا کہ ہے شوقِ لقا کمال
دے نفسِ مطمئن مجھے اے ربّ ذوالجلال
تیری طرف رجوع کروں دل رہی بحال
اے قدرداں نصیب ہو بیقدر کو وصال
تو بے نیاز ہے میں سراپا نیاز ہوں
یہ سر جو آبرو سے کٹے سرفراز ہوں

امداد اے معین کہ گھبرا نہ جاؤں میں
ہوں پائمال گور و کفن کچھ نہ پاؤں میں
کٹتا ہو جب یہ خشک گلا مسکراؤں میں
زخموں میں ہو جو درد نہ تیوری چڑھاؤں میں
حقا کہ تیرے ہاتھ ہے پیاسے کی آبرو
مالک بچا نبیؐ کے نواسے کی آبرو

بس تیری ذات پاک منزّہ ہے اے خدا
ہے قعرِ بحر میں بھی تو ہی سامع الدعا
سنتا ہے مچھلیوں کے تنفّس کی تو صدا
دیگا تجھے حسینؑ بھلا امتحان کیا
سب یہ کہینگے صبر میں بیکس نے کد نہ کی
جاتی رہیگی بات جو تو نے مدد نہ کی

جناب امام حسینؑ میدانِ کارزار میں جاتے ہیں۔ درِ خیمہ پر حضرت کی زوجہ کھڑی ہیں۔

جذباتِ نگاری

گذرے حسینؑ بیکس و تنہا جو پاس سے
دیکھا انہوں[1] نے عالمِ حیرت میں یاس سے

[1] یعنی آپ کی زوجہ نے ؛

تھا قصد عرضِ حال شہِ حق شناس سے چُپکی کھڑی رہیں نہ کہا کچھ ہراس سے
مُنہ دیکھتے ہوئے شہِ والا چلے گئے
افسوس کہہ کے دلکو سنبھالا چلے گئے

خیمۂ حسینی کے چاروں طرف سناٹا ہے - بجز عابد بیمار مردوں میں کوئی عزیز و رفیق نہیں جو جامِ شہادت نہ پی چکا ہو - اسی حالتِ بے کسی میں -

آزردہ زندگی سے چلے جنگ کو جناب سر تا قدم مجسّمۂ شوق و اضطراب
دوڑیں اُلٹ کے پردۂ در کو رہی نہ تاب پکڑی لجامِ مرکبِ شاہِ فلک رکاب
آیا کمال شہ کو ترس اُن کے حال پر
روتی تھیں مُنہ دھرے ہوئے گھوڑے کی یال پر

شدّتِ اندوہ و ملال میں زبان یاری نہیں دیتی - صرف اس قدر کہتی ہیں ؎

دم پر بنی ہے سیّدِ عالی میں کیا کروں
اے بیکسوں کے وارث و والی میں کیا کروں

گویا ہوئے حسینؑ کہ چارا نہیں ہمیں تم دیکھتی ہو کوئی سہارا نہیں ہمیں
صاحب نہ رو و ضبط کا یارا نہیں ہمیں پھر جاؤ کیوں کھڑی ہو گوارا نہیں ہمیں
تسلیم کا رضا کا تحمّل کا وقت ہے
ہم سب کے واسطے یہ توکّل کا وقت ہے

آپ جناب امام کے ارشادات سے تسکین یاب ہو کر واپس ہوئیں

لیکن ؎

تا دیر غش میں خیمہ کے در پر پڑی رہیں
اٹھیں تو بیچواس اسی جا کھڑی رہیں

جناب امام میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں۔ رجز خوانی کے سلسلہ میں فوج شام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

ہیبتِ حق

ہم بیکس و ضعیف ہیں اسکا تو ہی یقین　　　پر جانتے ہو طاقت و قوت ذرا نہیں
اچھا کہیں نہ جاتے ہو تم سب نہ ہم کہیں　　　ہو امتحان ہم بھی یہیں تم بھی ہو یہیں
فرما کے یہ حسینؑ بڑھے فوج ہٹ گئی
الٹی جو آستین تو صفِ فوج اُلٹ گئی

مبالغہ

کھنچتے ہی برق شاہ کی تلوار ہو گئی　　　دم میں شروع خون کی بوچھار ہو گئی
غل تھا قیامت آج نمودار ہو گئی　　　آواز صور تیغ کی جھنکار ہو گئی
لاشے تو چار سمت پڑے تھے کوئی نہ تھا
رن میں فقط حسینؑ کھڑے تھے کوئی نہ تھا

الغرض آپ جنگ کرتے ہوئے　　ہمہ تن مجروح ہو کر آخری نماز ادا فرمانے لگے۔

محویت یادِ حق

سجدے میں کر رہے تھے دُعا کچھ خبر نہ تھی　　　تلوار کھائی تیر لگا کچھ خبر نہ تھی

جنبش نہ تھی بدن کو ذرا کچھ خبر نہ تھی
ایسے جھکے تھے پیش خدا کچھ خبر نہ تھی
کیونکر بیان کیجیے کیونکر چھری پھری
تھے محو یادِ حق کہ گلے پر چھری پھری

حضرت اویس

صبح عاشورہ طلوع ہوتی ہے - جناب امام حسینؑ و رفقا فریضۂ سحری سے فارغ ہوئے ہی تھے -

ناگاہ طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
ہشیار ہو گئے رفقائے شہِ ہدا
یہ عرض کی کہ اے پسر شاہِ لافتا[1]
حکم وغا ہمیں بھی ملے بہرِ کبریا
پشتی پہ ہیں حضور نہ کیوں ہم دلیر ہوں
ہے آرزو کہ جامِ شہادت سے سیر ہوں

آخر کار تمام انصار و اقربائے امام یکے بعد دیگرے دادِ شجاعت دے دیکر شہید ہو گئے، شاعر نے اس دردناک منظر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے -

---

[1] "شاہ لافتیٰ" حضرت علی کا خطاب ہے ۔

غمِ شہدا

تنہا کھڑے تھے خیمے کے در پر شہِ ہُدا　　آنکھوں میں اشک دل پہ قلق رنگ زرد تھا
کہتے تھے آہ قافلہ سب کوچ کر گیا　　اک میں ہوں قتل ہونے کو باقی فقط رہا
سو مہماں دم کا ہوں اس جائے زشت میں
اتنے لکھے تھے داغ مری سرنوشت میں

بالآخر جناب امام حسینؑ اسپ صبا رفتار پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں تشریف لائے - آپ کے جلال سے فوجِ شام پر ایک ہیبت طاری ہے -

ہیبتِ حق

وہ وقت ہے کسی کی کسی کو خبر نہیں　　ہاں کون ہے وہ جلان کا جسکو خطر نہیں
وہ فوج کا حشم نہیں وہ کرّ و فر نہیں　　ظاہر ہے سب پہ جنگ یہ ہونے کی سر نہیں
جو پہلواں ہیں جنگ سے آنکھیں چراتے ہیں
یہ رعب ہے حسینؑ کا سب تھرتھراتے ہیں

پُردرد بیان

پڑھنے لگے یہ رَن میں رجز شاہ مشرقین　　ہے دم سے میرے دینِ محمدؐ کی زیب و زین
ہرگز قصور وار تمہارا نہیں حسینؑ　　مجھکو ستا کے پاؤ گے تم بھی کبھی نہ چین
سیّد کو تشنہ لب کو ستاتے ہو ظالمو
فرزندِ مصطفےٰ کو رُلاتے ہو ظالمو

معرکہ آرائی

فرما کے یہ نیام سے لی تیغِ آبدار
چمکی مثالِ برق شریروں پہ ایک بار
آثار حشر ہو گئے میداں میں آشکار
کانپی زمین آ گئے جنبش میں کوہسار
رَن کی زمین رنگ بدلتی تھی خوف سے
فوجِ عدو کی جان نکلتی تھی خوف سے

زورِ بازو

قربان اس صفائی دستِ امام پر
مارا کمر کا ہاتھ تو صاف اُڑ گئی کمر
شیرِ خدا کی جنگ کا انداز سر بسر
طاقت میں شیرِ فاطمہؑ زہرا کا تھا اثر
گر سامنے پڑے درِ خیبر اُکھاڑ دیں
مرحبؔ سا پیلتن اگر آئے پچھاڑ دیں

آخر فوجِ شام حملہ کرتی ہے ۔ اور آپ زخموں میں چُور ہو جاتے ہیں ۔ مرثیہ نگار نے اسوقت کا نقشہ اسطرح دکھایا ہے ۔

تاثیرِ درد

زخمی کھڑے تھے رَن میں شہنشاہ نامدار
افتادہ خاک پر تھے عزیز و رفیق و یار
خیمے میں اہلبیت رسالت تھے بیقرار
سرور کی بیکسی پہ تھا ہر ایک اشکبار
یہ ضعف تھا کہ چہرۂ پر نور زرد تھا
چلنے سے بادِ تند کے زخموں میں درد تھا

لہ ایک مشہور پہلوان تھا جو حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا ۔

الغرض جناب امام حسینؑ سرتا پا مجروح ہو کر گر پڑتے ہیں۔ کسی کو آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ لیکن سنگدل شمر جناب امامؑ کا سر مبارک جسمِ پاک سے جدا کر دیتا ہے۔ اس خبر سے حرم سرا میں ہنگامۂ ماتم برپا ہو جاتا ہے:۔

میرے ریاضِ نظم میں تازہ بہار آئے　　غنچے کھلیں نسیمِ سحر مشکبار آئے
رضواں ریاضِ خلد سے بہرِ نثار آئے　　پھل مغفرت کا اسمیں بروزِ شمار آئے

سرسبز میری نظم کا یا ربّ چمن رہے
نظّارہ گاہ سبطِ رسولِ زمن رہے

بے ثباتی

سب جانتے تھے اسکو کہ دنیا ہی اک سرا　　آ کر مسافر اسمیں رہا اور چل دیا
لوہے کی کوٹھڑی میں نہیں چھوڑتی قضا　　دو دن کا میہمان ہی سلطاں ہو یا گدا

اسمیں سدا رہے کوئی امرِ محال ہے
دنیائے بے ثبات یہ خواب و خیال ہے

یہاں سے واقعاتِ شہادت جناب امام حسینؑ کی ابتدا ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ حضرت زینبؑ بیقرار ہیں۔ جناب امام تلقینِ صبر فرماتے ہوئے کہتے ہیں ؎

صبر و رضا کا وقت ہی دلکو سنبھالئے　　جز شکرِ حق زبان سے نہ اب کچھ نکالئے

تاثیر و درد

رخصت بہن سے ہو گئے امام فلک مقام
خیمے سے نکلے ہاتھ میں تھامے ہوئے حسام
غش ہو نگے مومنین سنینگے جو یہ کلام
تنہا تھا در پہ خیمے کے زہراؑ کا لالہ فام

فوج الم تھی گرد شہِ دیں پناہ کے
کوئی نہ تھا شریک بجز اشک و آہ کے

جناب امام حسینؑ سب سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں تشریف لاتے ہیں۔ اور تیغِ حسینی کے جوہر دکھائے۔ لیکن کبتک، وہ یکہ و تنہا اور اسطرف پوری فوج۔

واقعہ نگاری

پھر افسروں کے حکم سے بڑھنے لگے سوار
اور چار سو سے گھیر لیا شہ کو ایک بار
تیغ و تبر کے ہونے لگے ہر طرف سے وار
زخموں پہ زخم کھاتا تھا احمد کا یادگار

آمادہ قتل پہ جو وہ گمراہ ہو گئے
مجروح سر سے تا بقدم شاہ ہو گئے

اے یارو یہ بھی مصلحت کردگار ہے
انساں کو اسمیں دخل نہیں زینہار ہے
گاہے خزاں چمن میں ہے گاہی بہار ہے
بلبل کبھی ہے شاد کبھی اشکبار ہے

اُسکے کرم سے غنچۂ امید کھلتا ہے
چاہے جو وہ تو گوہر مقصود ملتا ہے

غم انگیز

ناگاہ ایک تیر جگر دوز پڑ گیا
گھوڑے پہ پھر سنبھل نہ سکے شاہ کربلا

غش آگیا زمیں پہ گرے وامصیبتا
قاتل بھی تیغ کھینچ کے شہ کیطرف بڑھا
سینے پہ چڑھ کے آہ وہ سر کاٹنے لگا
زہراؑ و مرتضیٰؑ کا جگر کاٹنے لگا

قربانی

خیمے میں غل ہے رخصتِ سبطِ رسولؐ کا
ماتم بپا حرم میں ہے ابنِ بتولؑ کا
جو رہنما ہے دین کے فروع و اصول کا
نرغہ ہے اس پہ آہ ظلوم و جہول کا
کنبہ تمام کٹ گیا خالق کی راہ میں
تنہا حسینؑ جاتے ہیں اب رزمگاہ میں

زینبؑ یہ رو کے کہتی تھیں اے شاہ الوداع
اے تشنہ کام و فدیہ اللہ الوداع
اے میہمانِ لشکرِ گمراہ الوداع
اے پیشوائے خلق و حق آگاہ الوداع
فرقت تمہاری شاق ہے زہراؑ کی جائی پر
آئی تباہی اب مری ماں کی کمائی پر

تاثیرِ بیان

پھولا پھلا ریاضِ رسولِ خدا لٹا
رن میں شبابِ اکبرِ گلگوں قبا لٹا
ہیہات خانۂ حسنِ مجتبےٰ لٹا
اہلِ جفا کے ہاتھوں سے سب جابجا لٹا
اک عمر کی تباہ کمائی یہاں ہوئی
شیرِ خدا کے گھر کی صفائی یہاں ہوئی

تلقینِ صبر

بانو کا سر اٹھا کے یہ بولے امامِ دیں　　واللہ تیرے رونے سے ہوتا ہوں شرمگیں
بانو خدا گواہ ہے کچھ میرا بس نہیں　　ہرگز امانِ جاں نہ مجھے دینگے اہلِ کیں
جو ظلم راہِ حق میں ہوں تم پہ اٹھائیو
لیکن زباں پہ حرفِ شکایت نہ لائیو

الغرض جناب امام تلقین صبر فرماکر باہر آئے اور میدانِ کارزار میں پہنچکر پہلے اتمامِ حجّت کیا۔ لیکن دشمنوں کی شقاوت سے مجبور ہو کر مصروفِ جنگ ہوتے ہیں۔

اندازِ بیان

جسنے کہ سر اٹھایا گرا اسکا عدو کا سر　　گویا کہ شاخِ تیغ سے جھڑنے لگے ثمر
استادہ صف بصف جو تھے میدانمیں کینہ ور　　چمکی جو تیغ پھر نہیں آیا کوئی نظر
لشکر تمام خوف سے پیچھے کو ہٹ گیا
پانی تھا برشگال کا دم میں سمٹ گیا

آخر کار فوج شام چاروں طرف سے امام شکستہ دل پر ٹوٹ پڑی آپ مجروح ہوکر خاکِ کربلا پر گر پڑے۔ اسی حالت میں آپ نماز ادا کرنا چاہتے ہیں۔ شمرِ سیاہ قلب اتنی بھی مہلت نہیں دیتا، اور نہایت بیرحمی سے سینۂ اقدس پہ چڑھکر سر اُتار لیتا ہے ؛

صُبحِ عاشورہ

جس دم فلک پہ طائرِ زرّین کے پر کھُلے
ابنِ علی کے جوہرِ تیغِ دو سر کھُلے
انصارِ شاہ کے لئے جنّت کے در کھُلے
فوجِ یزید کے لئے بابِ سقر کھُلے
بدلی ہوئی ہوا تھی جہانِ خراب کی
فردیں کھلی ہوئی تھیں ثواب و عذاب کی

مرتبۂ شہادت

بازارِ دہر میں ہوا جاری جو کاروبار
خیموں سے نکلے جنسِ شہادت کے خواستگار
رکھے تھے نقدِ جاں کو ہتھیلی پہ جاں نثار
کہتا تھا غازیوں سے یہ احمد کا[۱] یادگار
نقدِ حیات جنسِ اجل کی بہا ہے آج
یکساں اسی خرید میں شاہ و گدا ہے آج

جناب امام اہلِ حرم سے رخصت ہو کر مع رفقا عازمِ میدانِ کارزار ہوتے ہیں۔

ہیبتِ حق

ٹھکرا کے راہواروں کو بڑھنے لگے جواں
کاندھوں پہ نیزے ہاتھوں میں تیغیں سپر رواں
فوجِ عدو کی خوف سے تن میں رہی نہ جاں
اڑنے لگیں شجاعوں کے منہ پر ہوائیاں
ہلچل تھی آمدِ شہِ عالیجناب سے
تھی بدحواس فوجِ عدو اضطراب سے

---

[۱] یعنی حضرت امام حسینؑ ۔

عمر ابن سعد نے تقریر کے ذریعہ سے اہل فوج کا دل بڑھایا فوج شام آمادہ جنگ ہوتی ہے۔

واقعہ نگاری

قرنا کی تھی صدا کہیں بجتے تھے طبل جنگ ۔ ڈنکے پہ چوب کوئی لگاتا تھا بے درنگ
ڈر سے کچھار چھوڑ کے راہی ہوئے پلنگ ۔ دلمیں تھی غازیوں کے ادھر جنگ کی اُمنگ
بڑھنے نہ پائے وہ کہ حسینی علم بڑھا
فرزند مرتضیٰ کا بجاہ و حشم بڑھا

فوج شام سے جنگ شروع ہوتی ہے۔

رزمیہ

القصہ سب عزیز و رفیقان نامدار ۔ ایسے لڑے کہ جنگ ہے اب انکی یادگار
لاشوں سے بھر دیا تھا وہ میدان کارزار ۔ بیکار وہ ہوئی کہ جو تھے آزمودہ کار
شیروں سے کب مجال تھی تیغ آزمائی کی
ہلچل یہ تھی خبر نہ تھی بھائی کو بھائی کی

تمام عزیز و رفیق دادِ شجاعت دے دے کر شہید ہو گئے۔

ہیبتِ حق

پہنچے مقابلے پہ جو رن میں امام دیں ۔ شان و جلال دیکھ کے تھرائے اہلِ کیں
اسوقت ابن سعد کو اسکا ہوا یقیں ۔ ابنِ علی سے فوج یہ لڑنے کی اب نہیں
رعشہ ہے ہر دلیر کے تن میں پڑا ہوا
جسکو ہوں دیکھتا وہ ہے ششدر کھڑا ہوا

جناب امام معرکہ آرا ہوتے ہیں۔ آپ کی تیغ خون آشام نے فوجِ شام کا ستیاناس کر دیا۔ یہ عالم تھا کہ

اندازِ بیاں

خنداں جو زخم ہوتے تھے تلوار ہنسی تھی
بسمل تڑپ رہے تھے یہ ہر بار ہنستی تھی
ان ناریوں پہ تیغ شرربار ہنستی تھی
پرزے تنوں کے کرکے وہ خونخوار ہنستی تھی
سر پر اگر پڑی تو نکل آئی تنگ سے
بھاگے سوار سہم کے اس خانہ جنگ سے

تلوار کی تعریف

بُرّش صفوں میں گھس کے دکھائی نکل گئی
سینے میں مثل دم کے سمائی نکل گئی
نیزوں کی کر کے عقدہ کشائی نکل گئی
مانندِ آب جو کے وہ آئی نکل گئی
اسطرح سے چمک کے سواروں پہ جا گری
ثابت ہوا کہ برقِ غضب برملا گری

نقشۂ جنگ

بھاگے شریر مورچے ویران ہو گئے
پیدل ہٹے رسالے پریشان ہو گئے
جنبش نہ تھی رگوں میں یہ بیجان ہو گئے
دم بھر میں سب کے موت کے سامان ہو گئے
میدانِ کارزار میں لاشوں کا ڈھیر تھا
فوجِ عدو میں جو تھا وہ جینے سے سیر تھا

معرکہ آرائی

کشتوں کے پشتے آتے تھے دونوں طرف نظر
کردی تھی دھوم تیغِ دو دم نے اِدھر اُدھر

رَن سے فرار ہو گئی اکدم میں خیرہ سر ہلچل یہ تھی کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
کہہ پیدلوں کا مورچہ ویران کر دیا
پہنچی سواروں پہ تو پریشان کر دیا

آخر کار جناب امام حسینؑ علیہ السلام سر سے پاؤں تک مجروح ہو جاتے ہیں۔

تھا ضعف و تشنگی سے عجب حال شاہ کا گھوڑے پہ بھی سنبھلنے کا یارا نہیں رہا
چھوٹی رکاب پاؤں سے جی سن سنا گیا آخر گرا زمیں پہ شہنشاہ کربلا
بیچین ادہر تو خیمہ میں زہرا کی جائی تھی
لٹتی یہاں رسولِ خدا کی کمائی تھی

اے فکر رسا حسن رسائی کا دکھا دے اے ذہن زکی رنگ سخن آج جما دے
اے طبع غنی ہاں زر مضموں کو لٹا دے یارب پئے خامہ تو پر و بال ہما دے
میں نقشۂ رزم شہ دلگیر اُتاروں
آئینۂ خاطر پہ یہ تصویر اُتاروں
یہ پھول بہارِ چمنستانِ نبیؐ ہیں بلبل اسی گلزار کے سب حق کے ولی ہیں
گلدستۂ اسلام حسینؑ ابن علیؑ ہیں جو انکے مراتب ہیں وہ عالم پہ جلی ہیں
سبطِ شہِ لولاک ہیں خاصانِ خدا ہیں
پر حیف کہ میداں میں گرفتارِ بلا ہیں

ہیبتِ حق

اعدا میں یہ ہے شور دلاور کی ہے آمد	برہم صفِ اشرار ہے صفدر کی ہے آمد
فرزند علیؑ سبط پیمبر کی ہے آمد	ہے آمدِ شبیرؑ کہ حیدرؑ کی ہے آمد

رَن میں یہ تلاطم تھا دہلنے لگے ناری
آمد کی یہ گرمی تھی کہ جلنے لگے ناری

اُدہر فوجِ شام جنگ کے لئے آمادہ ہے۔ اسطرف جناب امامؑ حرم سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی ہمشیر حضرت زینبؑ سے فرماتے ہیں۔

یادِ رفتگاں

اب ہم کو بھی رخصت کرو اے خواہرِ مضطر	جینے کا مزا لے گئے عباسؑ دلاور
ہے صدمۂ جانکاہ فراقِ علی اکبرؑ	دم رُکتا ہے سینے میں نہ کیوں آہ ہو لب پر

بھائی نہ بھتیجا ہے نہ غمخوار ہے باقی
مشتاقِ شہادت یہ دل افگار ہے باقی

حضرت زینبؑ درگاہ جناب باری تعالےٰ میں عرض کرتی ہیں۔

بہن کا جذبۂ محبت

ایسا نہیں کوئی مرے بھائی کو بچالے	جنگل میں مری ماں کی کمائی کو بچالے
اے ربِ ہدیٰ اپنے فدائی کو بچالے	اس صدمے سے گردوں کی ستائی کو بچالے

کیا دورِ یزیدی میں فلک مجھ پہ گرا ہے
افسوس زمانہ مرے بھائی سے پھرا ہے

جناب امام تلقین صبر فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

تاخیر کا یہ وقت نہیں رن کی رضا دو — چیزیں متبرک جو ہیں اسوقت وہ لادو
تم آخری پوشاک مجھے آج پہنادو — چلائیگی روئے گی سکینہ کو ہٹادو
جاتے مجھے دیکھے گی تو روئے گی سکینہ
مرجائے گی اور جان کو کھوئے گی سکینہ

حضرت امام حسینؑ حرم کو حافظ حقیقی کے سپرد کرتے ہیں۔

یہ کہکے جو شبیرؑ نے پوشاک اٹھائی — زینبؑ نے کہا جاتا ہے ہے ہے مرا بھائی
جنگل میں لٹی جاتی ہے اماں کی کمائی — پھر رو رو کے ماں جائے کو پوشاک پہنائی
پوشاک جو زینب بدن شاہ ہدیٰ تھی
وہ حلّۂ فردوس سے رتبے میں سوا تھی

جناب امام حسینؑ سب سے رخصت ہو کر عازم میدانِ مقاتلہ ہوئے۔ اسطرف لشکرِ شام میں جناب امام کی آمد کی خبر سے دلوں پر خوف طاری ہے۔ لوگ آپس میں اسطرح گفتگو کر رہے ہیں۔

رَن میں وہ کھڑے کرتے تھے اسطرح کی گفتار — ناگاہ سواری کی ہوئی گرد نمودار
تھامے ہوئے صولت تھی رکاب شہِ ابرار — نصرت تھی جلو میں تو ظفر غاشیہ بردار
اجلال نے بڑھکر یہ نقیبانہ صدا دی
آپہنچی سواری پسرِ شیرِ خدا[1] کی

---

[1] شیرِ خدا حضرت علیؑ کا خطاب ☆

جنگ شروع ہوتی ہے۔

تلوار کی تعریف

تلوار جو تھی برق تو رہوار ہوا تھا یہ سر پہ چمک کے گیا سر اُس نے اُتارا
دو ٹکڑے کیا تیغ نے رہوار نے روندا کاوے سے شریر ونکا تھا گردش میں ستارا
ہاں قبضۂ شبیر میں شمشیر قضا تھی
رہوار سبک رو کی بندھی رن میں ہوا تھی

شاعر نے جناب امام کے سراپا کے سلسلہ میں ایک بند کیا خوب کہا ہے۔

تسلیم و رضا

وہ فرق حباب لبِ دریائے قدم تھا وہ افسرِ شاہ عرب و ملکِ عجم تھا
اس سر پہ سدا سایہ کناں ابرِ کرم تھا سر سرورِ دیں کا رہِ تسلیم میں خم تھا
سر وہ تھا کہ جو راہ میں خالق کی کٹایا
گردن پہ چلی تیغ مگر سر نہ اٹھایا

جناب امام حسینؑ مصروفِ جنگ ہیں۔ تلوار کی تعریف میں ایک بیت نہایت نادر ہے ؎

نابین نہ سمجھنا انہیں یہ راہِ فنا ہے
جوہر نہیں کھولے ہوئے آنکھوں کو قضا ہے

تلوار کی کاٹ

سر گردنِ سرکش سے اڑاتی ہوئی نکلی کشتوں کے وہ انبار لگاتی ہوئی نکلی

بجلی کی چمک سب کو دکھاتی ہوئی نکلی رنگِ ظفر و فتح جماتی ہوئی نکلی
بُرّش کے یہ جوہر نئے تلوار میں دیکھے
سر سیکڑوں اڑتے ہوئے ہر وار میں دیکھے

عمر ابنِ سعد حضرت امامؑ سے مقابلہ کے لئے ایک منتخب بہادر بھیجتا ہے

رجز

رخصت ہوا سفّاک چلا جانبِ رہوار اور غیظ سے ہونٹوں کو چباتا تھا بد اطوار
کہتا تھا کہ ہمسر نہیں میرا کوئی زنہار ہلجاتا ہے نعروں سے مرے گنبدِ دوّار
یکتائے زماں پیلِ دماں شیر ژیاں ہوں
آفاق میں ہمسر نہیں رکھتا وہ جواں ہوں

اندازِ بیاں

میدان میں گھوڑے کو اڑاتا ہوا آیا ہر وار کو فن اپنا دکھاتا ہوا آیا
اور مثل جرس شور مچاتا ہوا آیا سوفار کو چلّے سے ملاتا ہوا آیا
اسطرح وہ جلّاد بڑھا لشکرِ کیں سے
ہوتا تھا گماں کوہ نکل آیا زمیں سے

رجز

مغرور و جفا کیش و سیہ قلب و بد اطوار نخوت سے لگا کرنے یہ شبّیرؑ سے گفتار
روم و یمن و شام میں مشہور ہوں جرّار ہے ننگ کہ تم سے ہوں لڑائی کا طلبگار

اسقدر یاوہ گوئی کے بعد جناب امام حسینؑ سے جنگ ہوتی ہے کچھ دیر باہم ردّ و بدل ہُوا کی۔ لیکن تیغِ حسینی نے زیادہ مہلت نہ دی ایک ہی وار میں حریف کا کام تمام کر دیا۔

آخر کار جناب امامؑ جنگ کرتے کرتے تھک گئے۔ پیاس کی شدت دشمنوں کا ہجوم۔ جنگل کی دھوپ، یکّہ و تنہا کہانتک مقابلہ کرتے۔ آخر کار بیہوش ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑے۔

ہوش آیا تو سر سجدۂ خالق میں جھکایا اور بہرِ دعا دستِ مبارک کو اٹھایا
ناگاہ کسی بیرحم نے اک تیر لگایا وہ تیر قضا پہلوئے اقدس میں در آیا
تڑپے یہ کہ غش آگیا سلطانِ امم کو
ثابت ہوا شبیرؑ گئے باغِ ارم کو

بڑھکر کسی جلّاد نے تلوار لگائی ہے قہر کہ وہ فرقِ مبارک میں در آئی
ناموسِ نبیؐ پر یہ مصیبت عجب آئی غل تھا کہ لٹی جاتی ہے زہرؑا کی کمائی
جلتی ہوئی ریتی پہ پڑے قبلۂ دیں تھے
یہ پیاس کی شدت تھی بجا ہوش نہیں تھے

اسی حالت میں شمرِ بحیا نے سیّد الشہدا حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک جسمِ اطہر سے جُدا کیا۔

حضرتِ خلیلؑ

نمودِ سحر

دورِ شبِ دہم جو ہُوا انقلاب کا — گردوں پہ گُل چراغ ہوا ماہتاب کا
الٹا سحر نے چہرے سے گوشہ نقاب کا — پرتو پڑا جہاں پہ رُخ آفتاب کا
غُل پڑ گیا کتابِ خدا کا ورق کھلا
اسرار قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق کھلا

صبحِ چمن

جلوہ وہ مہر کا وہ ضیا جلّ شانہٗ — وہ لالہ گوں شفق کی روا جلّ شانہٗ
رونق وہ صبح کی وہ فضا جلّ شانہٗ — وہ معتدل سحر کی ہوا جلّ شانہٗ
پتّے ہلے شجر سے شجر جھک کے مل گئے
غنچے سبھی شگفتہ ہوئے پھول کھل گئے

ہر چند شوق بندشِ مضموں کا ہے وفور — تحریر واقعی ہے مگر اس جگہ ضرور
مشرق سے لیکے مہر جو پہنچا بساط نور — فارغ وظیفۂ سحری سے ہوئے حضور
سجّادے کو بڑھا کے اُٹھے شکرِ ربّ کیا
ڈیوڑھی پہ آنکر رفقا کو طلب کیا

جناب امام حرم سرا میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ بچے شدّتِ تشنگی سے جاں بلب ہو رہے ہیں۔ آپکی چھوٹی صاحبزادی حضرت

سکینہؑ کہتی ہیں ؎

مہماں الم نصیب یہ اب کوئی دم کی ہے
بابا سکینہ اب تو مسافر عدم کی ہے

پھر ایک معصومانہ انداز میں پوچھتی ہیں کہ بابا یہ کونسا مقام ہے جہاں ہمارے ساتھ ایسا ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ جناب امامؑ کلمات تسکین فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

تم اسطرح سے جانِ پدر مت ہو اشکبار ۔۔۔ روتی جو ہو تو دل مرا ہوتا ہی بیقرار
لو جاؤ ماں کی گود میں تم اے جگر فگار ۔۔۔ صابر رضائے حق پہ رہو مت ہو غمگسار

پھر اپنی بہن حضرت زینبؑ کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ میرے بعد ؎

جز شکر کوئی بات نہ مُنہ سے نکالیو
بچے بلک بلک کے جو روئیں سنبھالیو

اسی سلسلۂ بیان میں آپ وصیّت فرماتے ہیں۔ کہ دیکھو میری شہادت کی خبر سُنکر خیمہ سے باہر نہ نکل پڑنا۔ حضرت زینبؑ یہ کلمات دردخیز سنکر بیقرار ہو جاتی ہیں۔ جناب امامؑ اسطرح تلقینِ صبر فرماتے ہیں

ہرگز مصیبتوں پہ نہ یوں دردمند ہو
خوش اس پہ ہو جو بات خدا کو پسند ہو

جناب امام سب سے رخصت ہو کر برآمد ہوتے ہیں اور رفقا و اعزّا کو مخاطب کرکے اسطرح ارشاد فرماتے ہیں۔

پیچھے ہٹے قدم نہ کسی کا دمِ قتال　　وہ کیجیو کہ خوش ہو خداوند ذوالجلال
ہر چند زخم کھا کے ہر اک ہو شکستہ حال　　جز شکر اُف ملک نہ کرے یہ رہے خیال
خدمت یہ وہ ہے جسکا صلہ اسکے ہاتھ ہے
ہر حال میں وہ صابر و شاکر کے ساتھ ہے

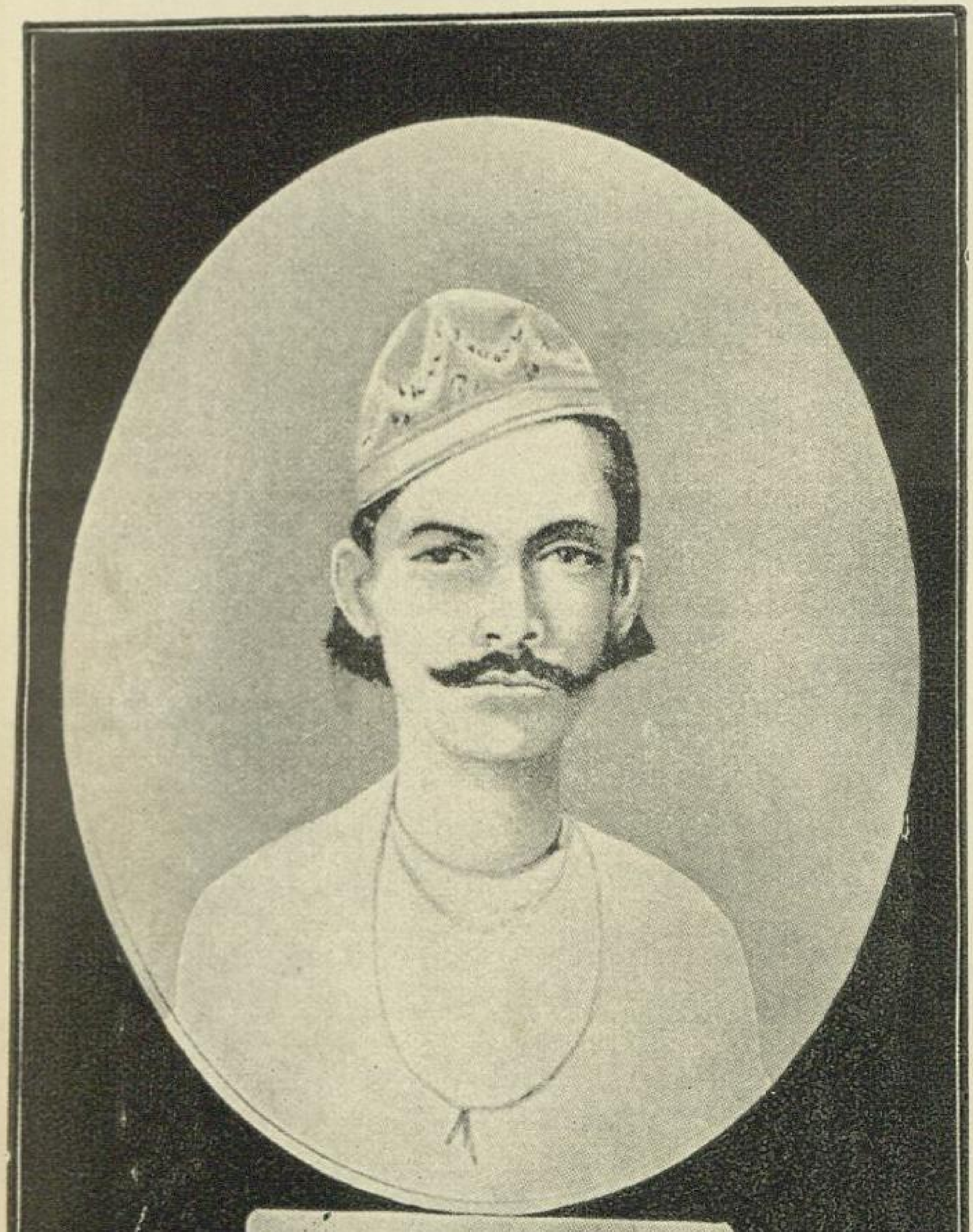
تلوار کی تعریف

کس کس طرف نہ فوجِ عدو میں گذر گئی　　کرتی صفوں کو صاف ادہر سے ادہر گئی
سر پر جھکے جسکے کوند گئی تا کمر گئی　　چمکی جو واں سے پھر تہِ مرکب اُتر گئی
وُہ ضرب تھی کہ قہر خدائے کریم تھا
فارس بھی تھا دو نیم فرس بھی دو نیم تھا
ڈھالوں میں پھرتی چلتی تھی از بس نڈھال تھی　　غصہ میں لال مائل دشتِ جدال تھی
اونچی ہوئی تو قوس جو اتری ہلال تھی　　ٹھہری جو سامنے تو اجل کے مثال تھی
سر پر گری تو صورتِ قہرِ عظیم تھی
بالائے دوش بار عذابِ جحیم تھی

جناب امام مع رفقا میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں۔ جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ فوجِ حسینی کا ہر جانباز دادِ شجاعت دے دیکر راہی گلشنِ جناں ہوا۔ آخر میں جناب امامؑ مصروفِ جنگ ہوتے ہیں۔ تیغِ حسینی کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

نقشۂ جنگ

ہلچل پڑی تھی لشکرِ اعدا میں ہر طرف　　تھا ایسا انقلاب کہ گرتی تھی صف پہ صف



شبیہ میر ببر علی انیس علی قدس سرہ

قائم رہا نہ ایک جگہ کوئی ناخلف آپس میں لڑکے کرتا تھا حالی اپنی خود تلف

جب یہ بڑھا ادھر سے تو وار اسکا چل گیا
تقدیر اسکی بچی ہو سلامت نکل گیا

جناب امام مصروف جنگ ہیں ناگاہ فوج مخالف ہر طرف سے نرغہ کرتی ہے - اور آپ مجروح ہو کر گر پڑتے ہیں - اور شمر آپ کا سر مبارک جسم اطہر سے جدا کر دیتا ہے ؎

میر انیسؔ

مناجات

یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
توفیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جبتک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

وہ گُل ہوں عنایت چمن طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جنکی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی

ایک ایک لڑی نظم ثریّا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی

سب ہوں درِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر انکی یہ ہونگے جنہیں رشتہ ہے نبیؐ سے

بھر دے درِ مقصود سے اس دُرج دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو

آگاہ کر آغازِ تکلّم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسن بیاں کو

تحسین کا سموات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں

ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم

قطع سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم

جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

؎ ایک مقام کا نام ہے۔ جس کے قلعہ کو حضرت علی نے فتح کیا تھا

مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجر خونخوار آگے کو بڑھیں برچھیوں کو تول کے اکبار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

شاعر کو اپنے معاصرین کے رشک وحسد اور ناقدریٔ زمانہ کا خیال آجاتا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ

ناقدریٔ اہل زمانہ

نیک و بدِ عالم میں تامل نہیں کرتے عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کیلئے رخ طرفِ گل نہیں کرتے تعریف خوش الحانی بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

نعت

خواہاں نہیں یاقوت سخن کا کوئی گو آج ہے آپکی سرکار تو یا صاحبِ معراج[1]
اے باعثِ ایجاد جہاں خلق کے سرتاج ہو جائیگا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
امید اسی گھر کی وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری یہی توشہ ہے سفر کا

شاعر امام الشہدا جناب امام حسینؓ کے واقعاتِ ولادت وشہادت

---

[1] یعنی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ؎

کیطرف اشارہ کرتے ہوئے اسطرح کہتا ہے ؎

یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے -

ولادتِ امام حسینؑ

ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو
اے ماہِ شبِ چار جہم نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غمدیدۂ عالم سے نہاں ہو
اے روشنیِ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی یداللّٰہ[۱] کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

اے ختمِ رسلؐ[۲] گوہرِ مقصود مبارک
یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف شادیِ مولود مبارک
یا خیر نسا اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سدا نور دوبالا رہے گھر میں
اس ماہِ دو ہفتہ کا اجالا رہے گھر میں

ہاں اے مہِ شعباں ترے اقبال کے صدقے
شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
اور تری برکت فاطمہؑ کے لال کے صدقے
جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
قرباں سحرِ عید اگر ہو تو بجا ہے
وہ شب ہے شبِ قدر بھی جسپر کہ فدا ہے

۱؎ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہ ۲؎ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ؎

واقعاتِ شہادت کے سلسلۂ بیان میں صحرائے کربلا کی گرمی کا ذکر شاعر ان لفظوں میں کرتا ہے ؎

گزری جو بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

گرمیِ صحرائے کربلا

لو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار ۔۔۔ تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار ۔۔۔ سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

مذمتِ دنیا

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں اسمیں ۔۔۔ وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جسمیں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جسمیں ۔۔۔ وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جسمیں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گذری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

عبرت

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش ۔۔۔ گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرم سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش ۔۔۔ گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسر دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ میں تو تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور　　دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہی عشرت کا کبھی دور　　ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیب خزاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

واقعاتِ غم

یہی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر　　شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سی ششدر
فرزند نہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر　　قاسمؓ ہیں نہ عباسؓ نہ اکبرؓ ہیں نہ اصغر
سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں۔

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت　　ہر بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت　　تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت
واں تو ہیں ادہر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

جناب امام حسینؓ اپنی ہمشیر حضرت زینبؓ کو تلقینِ صبر فرماتے ہیں۔

حضرت زینبؓ کسقدر درد انگیز جواب دیتی ہیں۔

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

پھر کہتی ہیں کہ ؎ صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اکدن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ اتنے میں جناب امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت سکینہؑ سامنے آکر طفلانہ معصومیّت کیساتھ کچھ درد انگیز فقرے کہتی ہیں۔ جناب امام حد درجہ متاثر ہوتے ہیں۔ پھر اپنی پیاری بیٹی سے اسطرح ارشاد فرماتے ہیں۔

بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمہاری کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
جب سے سوئے جنّت گئی اکبر کی سواری دیکھا نہ انہیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انہیں بیٹے ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئینگے نہ ہم تک

جناب امامؑ کا یہ دردناک بیان سنکر حضرت شہر بانو بیتابانہ حاضر ہوتی ہیں۔ لیکن شدّتِ غم و الم کی وجہ سے تصویر حسرت بنی ہوئی ہیں۔ جناب امام حسینؑ تلقینِ صبر فرماتے ہیں۔ اسکے بعد

آہستہ سے کچھ جھک کے کہا گوشِ پسر میں بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں غش ہو گئی زینبؑ یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا وال شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

جناب امامؑ سب سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں

۱؎ آپ کے ایک صاحبزادے جنکا نام حضرت عابد اور حضرت سجادؑ بھی ہے، بیمار ہیں
۲؎ جناب امام کی زوجہ حضرت شہر بانو ۳؎ یعنی حضرت امام حسینؑ ٭

جنگ شروع ہوتی ہے۔ تیغ حسینی کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

تلوار کی تعریف

بے پاؤں جدہر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ندی ادہر اک خون کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر جو کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اسکا
موقع تھا جہاں جسکا وہیں صرف تھا اسکا

نیزوں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے جا پہنچی کمانداروں پہ بھالوں کیطرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالے کی طرف سے منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کیطرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

حالتِ جنگ میں بھی جناب سید الشہدا کی رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ

تلوار نہ ماری جسے مُنہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

آخر یکہ و تنہا کہانتک فوجِ شام کا مقابلہ کیا جاتا۔ جناب امام سر سے پا تک خون میں ڈوب گئے اور فرشِ خاک پر گر کر سجدۂ شکر ادا کرنے

لگے - اسی حالت میں شمر نے سر مبارک کو تنِ اطہر سے جدا کر دیا ❖

--- ❖ ---

کیا بحر ہے وہ بحر کنارا نہیں جسکا کیا رنج ہے وہ رنج کہ یارا نہیں جسکا
کیا دکھ ہے قلق دل کو گوارا نہیں جسکا کس تیغ کا ہے زخم کہ چارا نہیں جسکا
صابر[1] بھی تڑپتے ہیں وہ کیا رنج و الم ہے
اک داغ ہے اولاد کا اک بھائی[2] کا غم ہے

غم انگیز

بیکار ہے وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا کیا صبر کرے قلب پہ قابو نہیں جسکا
کون اسکا ہے پھر زینت پہلو نہیں جسکا ہستی کا چمن خار ہے گلرو نہیں جسکا
جب صرف خزاں گلشن اولاد کو دیکھے
برچھی اسے لگتی ہے جو شمشاد کو دیکھے

بھائی کا درجہ

ہوتا ہے بہت نیک پسر باپ کو پیارا پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھوں کا تارا
کر دیتا ہے یہ داغ کلیجہ کو دو پارا بھائی ہے مگر زیست کا بھائی کی سہارا
مرجائے پسر تو ہے پھر امید پسر کی
بھائی نہ جدا ہو یہ نشانی ہے پدر کی

---

[1] مراد حضرت امام حسینؑ سے ہے، [2] مراد حضرت امام عباسؑ سے ہے ❖

جس شخص پہ یہ رنج و الم ہو وہی جانے　　دل جسکا تہِ تیغ دو دم ہو وہی جانے
تیغوں سے چمن جسکا قلم ہو وہی جانے　　جس درد رسیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے

مظلوم سے باعث نفس سرد کا پوچھو
گر پوچھو تو بسمل سے مزا درد کا پوچھو

بھائی کو وہ اب نہر پہ روئیں کہ پسر کو　　ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
توڑا ہے علمدارؑ کے ماتم نے کمر کو　　چھوڑا ہے جواںؑ بیٹے نے پیری میں پدر کو

فوج غم و اندوہ میں شبیرؑ گھرے ہیں
اک جان پہ دو کوہ الم ساتھ گرے ہیں

جناب امام عزیزوں اور رفیقوں کے غم میں بیقرار ہیں، فوجِ شام نعرۂ ھل من مبارز نما بلند کرتی ہے، آپ آخری رخصت کے لئے عصمت سرا میں تشریف لے گئے۔ مخدّرات عظام جناب امام کو آمادۂ شہادت دیکھکر اپنا اپنا غم بھول جاتی ہیں، ایک طرف حضرت زینبؑ اپنے بھائی جناب امام کے لئے بیتاب و بیقرار ہیں۔ دوسری طرف حضرت شہربانو اپنے شوہر محترم کی رخصت آخری سے از خود رفتہ عرض کرتی ہیں۔ کہ آپ کے بعد ہم بیکسوں کا کون والی و وارث ہے۔ فوجِ شام ہمیں گرفتار کریگی۔ جناب امام اسطرح تلقینِ صبر فرماتے ہیں۔

تلقین صبر

دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہرچند　　لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کی پابند
مرجاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند　　پلٹے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند

کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولاد حسنؑ کو

بے ثباتی

کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اُٹھ گئے بھائی — پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی — وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

درسِ عبرت

جیتا ہے ہمیشہ کوئی اس دارِ محن میں — یہ روح ہے مہماں کوئی دم خانۂ تن میں
ہے آج بہار اور خزاں کل ہے چمن میں — ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر شام کو دس بیس چراغ سحری ہیں
ہر صبح کو دس آتے ہیں اور دس سفری ہیں

تغیّراتِ زمانہ

شادی ہے کسی شخص کو غم کھاتا ہے کوئی — خلعت کوئی پاتا ہے کفن پاتا ہے کوئی
آتا ہے جہاں میں کوئی اور جاتا ہے کوئی — کھلتا ہے کوئی پھول تو مرجھاتا ہے کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسا نہیں دم کا
دنیا بھی مرقع ہے عجب شادی و غم کا

لہ جناب امام حسنؑ کے فرزند ؎

عبرت

اک آتا ہے دنیا میں تو اک ہوتا ہے راہی
گہ تختۂ تابوت ہو گہ مسندِ شاہی
کچھ بن نہیں پڑتا ہے جو آتی ہے تباہی
بس خیر ہے جب تک کہ رہے فضلِ الٰہی
سلطاں بھی کفن کے لئے محتاج ہوئے ہیں
لاکھوں گھر اسی طرح سے تاراج ہوئے ہیں

درسِ بیداری

نہ راحلہ نہ زاد نہ رہبر نہ مددگار
گھبرائے نہ کس طرح مسافر کا تنِ زار
وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شبِ تار
وہ جرم کی پرسش وہ نکیرین کی گفتار
غفلت ہے اسے موت کا دھڑکا نہیں جسکو
درپیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جسکو

درسِ بصیرت

نے ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زر و مال
کام آئینگے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال
اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال
وہ کیا ہیں کہ جو ساتھ نہ چھوڑینگے بہر حال
ہمدرد بجز بے کسی و یاس نہ ہوگا
سوئینگے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہوگا

اسقدر ارشاد فرما کر جناب امام اپنے نوجوان فرزند حضرت علی اکبرؑ کی لاش لئے ہوئے خیمہ سے برآمد ہوئے۔ لاشۂ فرزند کو سپردِ زمین کرتے وقت کسی قدر دردناک الفاظ میں فرماتے ہیں ؎

لو چلتی ہے، اس دھوپ میں عریاں ہے تن
اے دشت پُر آشوب اُڑھا لے اسے دامن

اسی سلسلۂ بیان میں پھر فرماتے ہیں ؎

شیریں سخن و گلبدن و غنچہ دہن ہے
لازم ہے ترحّم کہ یہ محتاج کفن ہے

الغرض لاشۂ حضرت علی اکبرؑ دفن کرکے جناب امامؑ فوجِ شام کے سامنے تشریف لے گئے اور اسطرح رجز خوانی کرتے ہیں۔

رجز

دعوےٰ ہو جسے تیغِ شرربار کو روکے — ضربِ خلفِ حیدرِ کرّار کو روکے
ہاں بڑھکے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے — بجلی کو وہ روکے جو مرے وار کو روکے

کیا مُنہ ہے جو وار اسکا رکے فوجِ ستم سے
جب برق بھی تھرّاتی ہو اس[۱] برق کے دم سے

یہ کہکر آپ مصروفِ جنگ ہوتے ہیں۔ تیغِ حسینی کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

معرکہ آرائی

چمکی صفتِ برق جو شمشیر سر انداز — انداز وغا بھول گئے سب قدر انداز
گوشہ میں چھپا سہم کے ہر خانہ بر انداز — رُخ پھر گئے بھاگے صفتِ تیر در انداز

۱؎ یعنی اس تلوار سے ؏

گھبرا گئے چلے کدھر اور تیر کہاں کے
خود اہل خطا پھنس گئے حلقوں میں کماں کے

تھے موت کے حلقے میں کماندار نظر بند تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طائر پر بند
نیزے کا کوئی باندھتا تھا بڑھکے اگر بند وا کرتا تھا ہر بند کو حیدرؑ کا جگر بند
سب بند کھلے ناخن شمشیر قضا سے
باقی کوئی رہتی ہے گرہ عقدہ کشا سے

ہر چند کہ جناب امام نے میدانِ کربلا کو لاشوں سے پاٹ دیا لیکن خود بھی زخموں میں چُور ہو گئے، حریف نے پہلے تو نیزوں سے جسم اطہر کو مشبّک بنا دیا۔ اور جب آپ سراپا زخمی ہو گئے تو قریب آکر وار پر وار کرنے لگے، جناب امام کا یہ عالم تھا کہ

واقعہ نگاری

نیزوں کے جہاں زخم تھے واں پڑتی تھی تلوار تلوار کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
تھے برچھیوں کے زخم سے پیکانِ ستم پار باہم تھے بدن پر لب زخم اور لب سوفار
دھاریں تھیں لہو کی رخِ پاکِ شہ دیں پر
پیوست ہوئے تھے کئی تیر ایک جبیں پر

درِ خیمہ سے جناب امام کی صغیر سن صاحبزادی حضرت سکینہؑ یہ حال دیکھتی ہیں تو بے اختیار ہو جاتی ہیں اور کہتی ہیں۔

اس خوں میں بھری چاند سی صورت کے میں واری بھولی نہیں اس دم بھی انہیں یاد ہماری
سر پیٹ کے کرتی ہوں جو میں گریہ و زاری مڑ مڑ کے ادھر دیکھ چکے ہیں کئی باری

جلّادوں کا نرغہ ہے ادھر آ نہیں سکتے
مجھ تک مرے مظلوم پدر آ نہیں سکتے

بابا تو ہمیں پیار سے چھاتی پہ سلائیں ہم ایسے بُرے وقت میں پاس انکے نہ جائیں
اب دل کو یہ امید نہیں ہو کہ وہ آئیں امّاں مجھے لے آنے دے بابا کی بلائیں

رہوار سے گر کر شہِ والا نہ ملیں گے
جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے

پردے سے کئی بار تڑپ کر نکل آئی چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
شبیرؑ کو چلائی وہ دے دیکے دہائی کچھ بس نہیں مجبور ہے یہ آپکی جائی

یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا
بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا

غم انگیز

روئے یہ صدا بیٹی کی سنکر شہِ ذیجاہ نزدیک تھا خیمہ پہ نہ جانے کی ملی راہ
اک تیر سہ شعبہ جو لگا سینہ پہ ناگاہ گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند ید اللہ

تھا دھیان کہ مل لیویں اگر آئے سکینہؑ
بھر کر نفس سرد کہا ہائے سکینہؑ

الغرض یہ حال دیکھ کر مخدّراتِ عظام میں ہنگامۂ قیامت برپا ہو جاتا ہے - اور اسطرف شمر سفّاک جناب امام کا سرِ مبارک جسمِ اطہر سے جدا کر دیتا ہے ؁

واقعہ نگاری

مومنو خانۂ زہرا پہ تباہی ہے آج
گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج
تن تنہا خلفِ شیر الٰہی ہے آج
خلق سے سبطِ نبی خلد کو راہی ہے آج
قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیریں ہیں
اک نبی زادہ ہے اور سنکڑوں شمشیریں ہیں

نیزے تانے ہوئے اُمڈے چلے آتے ہیں سوار
ہیں کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغیں کھینچے ہوئے چوگرد کھڑے ہیں جو سوار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبی کو زنہار
برقِ شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جس طرف دیکھتے ہیں موت نظر آتی ہے

تاثیر درد

جوں کماں کٹ کے لٹک آئی ہیں ابروِ خمدار
ہیں لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھیں گلنار
بوسے جن ہونٹوں کے لیتی تھی رسولِ مختار
پیاس سے سوکھ گئی ہیں وہ لب گوہر بار
چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخساروں سے
چاک ہیں مثلِ کتاں ظلم کی تلواروں سے

گھوڑا بھی مجروح ہے اور یہ حالت ہے کہ ؎

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہیں سکتا ہے
پھیر کر منہ شہِ والا کی طرف تکتا ہے

جناب سید الشہدا زخموں میں چور ہو کر خاکِ کربلا پر گر پڑے، شمر خنجر بکف آپ کے قریب آیا اور

کیا قساوت تھی کہ مطلق نہ کیا خوف آلہ	رکھدیا خنجر کیں حلق پہ مظلوم کے آہ
ذبح کس بیکسی سے ہوتے تھے شاہِ ذیجاہ	حلق پر تیغ تھی اور خیمہ کی جانب تھی نگاہ

عمر جو یادِ الٰہی میں کٹی جاتی تھی
صاف تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی

واقعہ نگاری

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے	ظلم کی چاند پہ زہراؑ کی گھٹا چھائی ہے
اسطرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے	یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو مار لو ہے شور ستمگاروں میں

مصوّری

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب	ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پر آب	تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب

شدتِ ضعف میں جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیر ستم تن سے گذر جاتے ہیں

گیسو آلودہ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے	شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہیں تلواروں سے
تیر پیوست ہیں خوں بہتا ہے سوفاروں سے	لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے

فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی

وار سے تیغوں کی فرصت نہیں دم لینے کی

خوں میں تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے
ہے جبیں چاند سی پر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب چھیونسے تا بہ کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بیکار ہیں بازو دونو
ظلم کے تیروں سی مجروح ہیں پہلو دونو

برچھی آکر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سر پاک جھکا جاتا ہے
حرم شاہ ہیں سب گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہاں گرتے ہیں

لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تن اطہر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سیکڑوں خنجر فولاد ہیں اور ایک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اٹھا سکتے نہیں
سامنے اہل حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

کوئی شہؑ کا نہیں آہ بچانے والا
حربے لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانیوالا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا
سنبھلے کسطرح بھلا برچھیاں کھانیوالا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لو چلتی ہے

لہ یعنی امام حسینؑ ۰

کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہو وقت زوال　　اینٹھی جاتی ہو زباں پیاس کی شدت ہو کمال
کبھی زینبؑ کا ہو غم گاہ سکینہ کا خیال　　دن جو ڈھلتا ہو تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال
مثل خورشید بدن ضعف سے تھرآتا ہے
نیّر برج امامت پہ زوال آتا ہے

جناب امام حسینؑ اسی حالت میں خدا کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

جلد گردن پہ رواں خنجر برّاں ہووے
اے خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہووے

پھر عرض کرتے ہیں۔

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بارِ خدا　　بندگی کا تیرے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوف محشر سے بدن کانپتا ہو سر تا پا　　ہوگی اعمال کی پرسش تو کہونگا میں کیا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ
تقویت دلکو کرم سے ہو ترے یا رحماں　　نہیں مایوس کہ رحمت ہو تری بے پایاں
مشکلیں بندوںکی کر دیتا ہو دم میں آساں　　شکر الطاف عنایات میں قاصر ہے زباں
عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہے
جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہے

آپ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ناگاہ

اک جفا کیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا　　چھد گیا توڑ کے چھاتی کو کلیجہ سارا

پشت تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
گرد آلود قبائے شہ پُر نور ہوئی
ریت زخموں کے لئے مرہم کافور ہوئی
کان میں آتی تھی زینبؑ کی صدائے جانکاہ دل تڑپ جاتا تھا کرتے تھے عجب دل سے آہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تن زخمی پہ جو پیکان ستم گرتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

حضرت زینب درِ خیمہ سے بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں۔ بے اختیار خیمہ سے باہر نکلکر عمر ابن سعد کو بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن ظالموں نے بیکسوں کی فریاد نہ سنی اور شمر سنگدل نے جناب امام حسینؑ کو شہید کر دیا ؏

رفقائے حسینی سب شہید ہو چکے، آپ حرم میں تشریف لیجا کر تلقین صبر فرماتے ہیں۔ اور رخصت ہوتے ہیں۔
میداں کو چلی سیّد بیکس کی سواری جسطرح چمن سے ہو رواں باد بہاری
جنگگاہ میں پہنچا اسد ایزدِ باری اس غیظ سے دیکھا کہ لگے کانپنے ناری
کیا رعب تہا کیا دبدبہ تھا ابن علی کا
قبضے کیطرف ہاتھ نہ بڑھتا تھا کسی کا

جناب امام میدان کارزار میں پہنچے - اس محل پر شاعر کہتا ہے :-

لب تشنہ کئی دن شہ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میدانمیں کھڑے جھوم رہے ہیں

پھر کہتا ہے :-

دن ہو گیا جلوے سے رخ تابکے جہتاب ابرو ہیں حریم حرم پاک کے محراب
ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرہ گل شاداب لب غیرت یاقوت ہیں دنداں دُرِخوشاب
آئینہ ہے گردن تو صراحی سا گلا ہے
حضرت کا بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہے

رجز

اتنے میں ہوئے بڑھکے رجزخوان شہ صفدر پہچانو مرے رتبے کو اے قوم ستمگر
نانا ہے پیمبرؐ مری ماں بنت پیمبر بھائی حسن سبز قبا عاشق داور
میں سرور دان چمن شیر خدا ہوں
واللہ ڈرو مجھ سے میں شمشیر خدا ہوں

اخلاقی تقابل

تم وہ ہو کہ لکھ لکھ کے خط شوق بلایا میں ہوں کہ جو گھر چھوڑ کے اس گرمی میں آیا
تم وہ ہو کہ بیجرم و خطا مجھکو ستایا میں وہ ہوں کہ شکوے کا سخن لب پہ نہ آیا
تم وہ ہو کہ تصویر پیمبر کی مٹا دی
میں وہ ہوں کہ جسنے تمہیں بخشش کی دعا دی

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

مہمانکو بھی ایذا کبھی دنیا میں ملی ہے
پانی نہیں دیتے ہو یہ کیا سنگدلی ہے

آغاز جنگ

کچھ بولے نہ حضرت کے سخن سُنکے ستمگار
اکبار بجے طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
کی سبطِ پیمبرؐ نے علم تیغ شرر بار
بجلی کیطرح جا ہی پڑا فوج میں رہوار

دم بند ہوئے تیغ سے بیداد گردن کے
ہر چار طرف چھا گئے بادل سپروں کے

معرکہ آرائی

میدانمیں زبس خون کے دریا کا ہوا جوش
مچھلی کیطرح لوٹتے پھرتے تھے زرہ پوش
نامی جو بہادر تھے نہ تھا انہیں ذرا ہوش
تھا شور کہ بس شمع حیات اب ہوئی خاموش

کیا جاتے بھلا سبطِ پیمبر کے برابر
اک برق نکل جاتی ہے دو کرکے برابر

غم انگیز

اتنے میں چھدا تیر سے حلق شہِ ابرارؓ
پیکان ستم گردن انور سے ہوا پار
حلقوم سے کھینچا جو ہیں وہ ناوک خونخوار
فوارے کے مانند چھٹی خونکی اک دھار

صدمہ تھا عجب دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
گرتا تھا گریباں سے لہو دامنِ زیں پر

؎ یعنی حضرت امام حسینؓ

سب زخم بدن پھٹ گئے گرتے ہی زمیں پر بسمل کیطرح خوں میں تڑپنے لگے سرور
آلودہ ہوئے خاک سے گیسوئے معنبر تلواریں لگانے لگے گرد آ کے ستمگر

تھی خشک زباں بول نہ کچھ سکتے تھے حضرت
مظلومی سے ایک ایک کا منہ تکتے تھے حضرت

حرم کے رونے کی آواز آپ سنتے ہیں تو بیتاب ہو کر اُدہر دیکھنے لگتے ہیں - حضرت زینب درِ خیمہ پر با حال پریشاں کھڑی ہیں - اور امام مظلوم کو اس حالت میں دیکھکر فریاد کر رہی ہیں -

فریاد سنی زینبؑ ناشاد کی جسدم خیمے کیطرف تکنے لگے سید اکرم
دیکھا کہ یہ ہے خواہرؑ غمدیدہ کا عالم سر پیٹتی ہے ہاتھوں سے اور کرتی ہے ماتم

تھامے ہیں کئی بیبیاں اس خستہ جگر کو
اس صدمے سے غش آگیا زہراؑ کی پسر کو

لشکر سے بڑھا شمر ادہر کھینچکے خنجر فریاد ہے چھاتی پہ چڑھا شہ کی ستمگر
زانو سے دبا سینۂ زخمی جو سراسر اسوقت لہو منہ سے اگلنے لگے سرور

خنجر جو رکھا حلق پہ اس مائلِ کیںؑ نے
تکبیر کہی کھول کے آنکھیں شہِ دیں نے

ؑ یعنی حضرت زینبؑ ؑ یعنی شمر

شہادت

پھیرا لب نازک پہ زبانکو کئی باری پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
جبتک کہ نہ گردن کی رگیں کٹ چکیں ساری تکبیر رہی شہ کے لب خشک پہ جاری
جسوقت جدا ہو گیا سر تیغ سے کٹ کر
خم ہو گیا قبلے کی طرف جسم الٹ کر

جناب امام حسینؑ کے تمام عزیز و رفیق کام آچکے، اب آپ آخری رخصت کے لئے عصمت سرا میں تشریف لے گئے، حضرت شہر بانو تو اپنے شوہر محترم جناب امام حسین علیہ السلام کو آمادۂ رخصت دیکھکر بیتاب ہو جاتی ہیں - اور مایوسانہ باتیں کرنے لگتی ہیں - آپ انہیں اسطرح تلقین صبر فرماتے ہیں -

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبط پیمبرؐ باتیں نہ کرو یاس کی ای بانوئے مضطر
دنیا میں سدا جیتے ہیں فرزند نہ شوہر کیوں روتی ہو اللہ کا سایہ تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

جس خالق اکبر نے کیا بیٹے کو قرباں مشکل بھی تمہاری وہی کر دیویگا آساں
پردے میں رہو یا کہ پھرو یوں سر عریاں حافظ وہی گھر کا وہی عزت کا نگہباں
جو چپ ہوا شہ کرتی ہے فریاد اسی کی

ایذای اسیری میں رہی یاد اسی کی

لوٹینگے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا
منصف ہو تمہیں زیور و زر کسنے دیا تھا
یہ نخل تمنا ہیں ثمر کس نے دیا تھا
ہمشکل محمدؐ سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اسی کی
بخشش تھی اسی کی یہ عنایت تھی اسی کی

درس عبرت

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار
بہتر ہی مسافر کو جہانتک ہو سبکبار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبت کار
بھائی ہی نہ بیٹا ہی نہ لشکر نہ علمدار
جو اسکی امانت ہی وہ سب دیکے چلے ہیں
کچھ لیکے نہ آئے تھے نہ کچھ لیکے چلے ہیں

اسکے بعد آپ خیمہ سے بر آمد ہوئے اور

رخصت ہوئی شبیر چلے جانب میداں
چلائے یہ ناموس کہ اللہ نگہبان
تھی تابش خورشید ہوا تھی شرر افشاں
اڑتے تھے رخ پاک پہ گیسوئی پریشان
قطروں کے پسینے کی یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

ناگاہ بجا طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
گرجا جو دہل گونج گیا گنبد دوار
دس سو جو علمہای سپہ کھل گئی یکبار
دن ہو گیا آنکھوں میں لعینونکے شب تار
تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی ہی
اڑنے سے پھریرونکے گھٹا چھائی ہوئی ہی

جناب سیّد الشہدا فوج شام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

سینہ مرا اسرار امامت سے بھرا ہے — دل خالق اکبر کی محبّت سے بھرا ہے
دامن مرا ایمان کی دولت سے بھرا ہے — ہر عضو بدن زور شجاعت سے بھرا ہے
خاموش ہوں خاطر سے رسول عربی کی
ہاتھ اسلئے روکا ہے کہ امّت ہو نبیؐ کی

فوج شام کی یاوہ گوئی کی تاب نہ لا کر جناب امام حسینؑ مصروف جنگ ہوتے ہیں، تیغ حسینی کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

معرکہ آرائی

اس صف سے جو نکلی نظر آئی صف ثانی — اسمیں بھی در آیا اسد اللہ کا جانی
آب دم شمشیر کی دیکھی جو روانی — دہشت سے لعینوں کے جگر ہو گئے پانی
کٹ کٹ کے ابھی سر نہ گرے تھے بدنوں سے
روحوں نے کنارا کیا پہلے ہی تنوں سے

برہم جو صفیں ہو گئیں اک جا ہوئے ظلم — اس تیغ نے واں بھی انہیں لینے نہ دیا دم
برش تھی عجب اور عجب طرح کا دم خم — ہر شخص پہ بجلی کیطرح گرتی تھی پیہم
کیا جانے وہ پھل کونسے لوہے سے بنا تھا
چلنے میں ہوا لگ گئی جسکے وہ فنا تھا

تلوار کی تعریف

خوں میں صف دشمن کو ڈباتی ہوئی آئی — اعدا کو جھپک اپنی دکھاتی ہوئی آئی
شعلے کیطرح سبکو جلاتی ہوئی آئی — ہستی کے چراغوں کو بجھاتی ہوئی آئی

ہر سو دمِ اژدر کی طرح شعلہ فشاں تھی
مقراضِ اجل تھی کہ وہ تیغِ دو زباں تھی

اک دم میں سواروں کے رسالوں کو بھی کاٹا
مانندِ قلم برچھیوں والوں کو بھی کاٹا
لشکر کے نشانوں کو بھی بھالوں کو بھی کاٹا
تلواریں بھی آری ہوئیں ڈھالوں کو بھی کاٹا

یارا نہ ٹھہرنے کا سمندوں میں رہا تھا
ثابت کوئی حلقہ نہ کمندوں میں رہا تھا

گھوڑے کی تعریف

رہوار تھا تلوار سے چلنے میں نہ کم تیز
شمشیر جو بجلی تھی تو آندھی تھا وہ شبدیز
تھی حور کے گیسو کی طرح یال آویز
واقف ہی نہ تھا وہ کہ کسے کہتے ہیں مہمیز

عالم پہ پروانہ کا تھا دامن زیں پر
دریا پہ وہ تھا موج تو بجلی تھا زمیں پر

گھوڑے کی تعریف کے سلسلہ میں مرثیہ نگار کہتا ہے،

ٹاپ اسکی طمانچہ تھا اجل کا پۓ دشمن

اور پھر کہتا ہے

مستِ مۓ نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

جناب امام حسین علیہ السلام جنگ کرتے ہوئے خود ہی سر سے پا تک زخموں میں چور ہو کر زمین پر گر پڑے، اس وقت کی تصویر یہ شاعر ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔

روتی تھی سکینہ پہ نہ جا سکتے تھے حضرتؑ
ہر زخم میں خیمے کیطرف تکتے تھے حضرتؑ

تیروں سے جو مجروح ہوا چاند سا سینہ فرماتے تھے افسوس صد افسوس سکینہ
نزدیک اجل ہم سے ہے اور دور مدینہ صغرا سے بھی ملنے کا نہیں کوئی قرینہ

واں تو وہ ہے بیمار یہاں اپنا سفر ہے
شبیرؑ کے احوال کی کیا اسکو خبر ہے

جناب سیّد الشہدا کو جس وقت شمر مردود قتل کرنے لگا -
آپ بارگاہ ربّ العزّت میں عرض کرتے ہیں -

خنجر کے تلے حال نہ کچھ غیر ہو میرا
ہاں رحم کر اب خاتمہ بالخیر ہو میرا

اسی حالت میں شمر آپ کا سر مبارک جسمِ اطہر سے جدا
کر دیتا ہے ۞

واقعہ نگاری

مومنو خانۂ زہرا پہ تباہی ہے آج گھر پہ سادات کے پانیکی مناہی ہے آج
تن تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج خلق سے سبطِ نبی خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیریں ہیں
اک نبی زادہ ہے اور سیکڑوں شمشیریں ہیں

نیزے تانے ہوئے اُمڈی چلی آتی ہیں سوار — ہیں کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغیں کھینچے ہوئے ہے چوگرد کھڑی ہیں جرار — غل ہے مہلت نہ ملے سبط نبی کو زنہار

برق شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جسطرف دیکھتے ہیں موت نظر آتی ہے

تاثیر و درد

جوں کماں کٹ کے لٹک آئی ہیں ابرو خمدار — ہیں لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھیں گلنار
بوسے جن ہونٹوں کے لیتے تھے رسول مختار — پیاس سے سوکھ گئے ہیں وہ لب گوہر بار

چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخساروں سے
چاک ہیں مثل کتاں ظلم کی تلواروں سے

گھوڑا بھی مجروح ہے اور یہ حالت ہے کہ

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہیں سکتا ہے
پھیر کر منہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

جناب سید الشہدا زخموں میں چور ہو کر خاکِ کربلا پر گر پڑے شمر خنجر بکف آپ کے قریب آیا اور

کیا قساوت تھی کہ مطلق نہ کیا خوف اللہ — رکھدیا خنجر کیں حلق پہ مظلوم کے آہ!
ذبح کس بیکسی سے ہوتے تھے شاہ ذیجاہ — حلق پر تیغ تھی اور خیمہ کی جانب تھی نگاہ

عمر جو یاد الٰہی میں کٹی جاتی تھی
صدائے تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی

صبح عاشورہ

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب پایا سحر نے دخل گیا انتظامِ شب
وش سفید بجھ گیا اکھڑے خیامِ شب آغاز روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب
رونق نشانِ صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواریٔ سلطانِ شرق کی

رخصتِ شب

چھپنے لگا جو عائذ شب زندہ دار ماہ[1] اختر چلے لپٹ گئے سجادۂ سیاہ
غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ تھا شور دور دورِ شہنشاہ کجکلاہ
ہر سو نشانِ آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا

ذوقِ عبادت

لیکن عجب وہ دن تھا غضب کا عجب سحر بیٹھے ہوئے تھے رات کے جاگے جھکائے سر
حضرت نے اٹھ کے جانبِ گردوں جو کی نظر مڑ کر صدا یہ دی رفقا کو بچشمِ تر
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

جناب امام کے شوقِ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا

---

[1] یعنی چاند۔

ہے کہ ؎

چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا
گذری شب فراق دن آیا وصال کا

جناب امام اپنے رفقا سے ارشاد فرماتے ہیں

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہی جسکی شام یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام لکھے خدا نماز گذاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحید عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

رفقائے امام کی تعریف میں شاعر کہتا ہی کہ

مناقب رفقائے حسینی

سوکھے لبوں پہ حمد الٰہی رخوں پہ نور خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض و حق شناس اولو العزم و ذی شعور خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسن صوت سے حظ بر ملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب تھے ایسے خاکسار غلام ابو تراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

صبحِ صحرا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستارونکی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے ارنی گوے اوج طور
پیدا اگلوں سے قدرت اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولونکی باس سے

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلس زنگاریٔ فلک
وہ جھومنا درختونکا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربان صنعت قلم آفرید گار — تھی ہر ورق سے صنعت ترصیع آشکار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقل سادہ کار — عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار
عالم تھا محو قدرت ربّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیٔ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سُہانا بصد فضا[۱] — درّاج کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل وہ نالہ مرغان خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

۱؎ دلفریب ،

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخل گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کو کو کا شور نالۂ حق سرہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو ان کے عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربّ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی حمد

حمدِ معبود

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار
تہلیل تھی کہیں کہیں تسبیح کردگار
طائر ہوا میں محو ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

واقعہ نگاری

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاض نبیؐ کے پھول
خوشبو سے جن کے خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب زینت کاشانۂ بتول
وہ باغ جو لگا گئے تھے حضرت رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں کٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں چھٹ گیا

لطافتِ ادا

اللہ ری خزاں کے دن اس باغ کی بہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے یادگار

دولہا بنے ہوئے تھی اجل تھی گلو کا ہار
جاگے وہ ساری رات کہ وہ نیند کا خمار

راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس[1] گئیں

واقعہ نگاری

ناگاہ چرخ پر خط ابیض ہوا عیاں
تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں

سجادے بچھ گئے عقب شاہِ انس و جاں
صوتِ حسن سے اکبر مہرو نے دی اذاں

ہر اک کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آ گئی

ناموس شاہ خیمہ میں روتے تھے زار زار
چپکی کھڑی تھیں صحن میں بانوئے نامدار

زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار

کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو اذان سنو مرے یوسف جمال کی

حضرت علی اکبر کی خوش الحانی کی تعریف شاعر اسطرح کرتا ہے۔

شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

[1] بکس جانا بمعنی شگفتہ ہو جانا۔ کھل جانا۔

مرقع نگاری

صف میں ہوا جو نعرہ قد قامت الصلوٰۃ قائم ہوئی نماز اٹھے شاہ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلّی ملک صفات سردار کے قدم کے تلے تھی رہ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرش معلّا حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّا حسینؑ کا

حالتِ نماز

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دلپسند کرّوبیان عرش تھے سب جن سے بہرہ مند
ایمان کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند خوف خدا سے کانپتے تھے انکے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے تو مہ نو رکوع میں
دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود انکے لئے تھی بندگی واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود طاعت میں زیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت ذرا نہ باقی رہی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدہ کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں
فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام آئے مصافحہ کو جوانان تشنہ کام
چومے کسی نے دست شہنشاہ خاص و عام آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے بہ احترام
کیا دن ہے کیا سپاہ سعید و رشید ہے
باہم معانقے ہیں کہ مرنے کی عید ہے
بیٹھے تھے جانماز پہ شاہ فلک سریر ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر

دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکرِ شریر عباس اٹھے تول کے شمشیر بے نظیر

پروانہ تھے سراج امامت کے نور پر

روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

جناب امام حسینؑ تلقین صبر فرما کر اسلحہ زیب جسم کرتے ہیں

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام تیار ادھر ہوا علم سیّد الانام

مغموم و بیقرار تھیں سیدانیاں تمام روتی تھی تھامے چوب علم خواہر امام

تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے

زینب کے لال زیر علم آ کھڑے ہوئے

شہادت حضرت امام حسینؑ کے حالات میں اگرچہ غیر متعلق واقعات کو حذف کر دینا چاہیئے تھا۔ اور اس لئے بھی کہ حضرات عون و محمد کے حالات علیحدہ مرتب ہو چکے ہیں۔ لیکن بعض بند اسدرجہ پر تاثیر ہیں کہ چھوڑے نہیں جا سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرات عون و محمد اپنی والدہ محترمہ حضرت زینب کیخدمت میں اپنے حقوق علمبرداری طفلانہ معصومیت کے ساتھ بڑے جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت زینب فرماتی ہیں ؎

رونے لگو گے پھر جو برا یا بھلا کہوں

اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

پھر فرماتی ہیں کہ

غمخوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے

معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو تم کے

پردرد بیان

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام عفتہ کو آپ تھام لیں ای خواہر امام
واللہ کیا مجال جو لیں اب علم کا نام کھل جائیگا لڑینگے جو یہ با وفا غلام
فوجیں بھگا کے گنج شہیداں میں سوئینگے
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوئینگے

بس کہکے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر چھاتی بھر آئی ماں کی کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنیکی پیارو مجھے خبر ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھُری لگی

جناب امام یہ گفتگو سُن لیتے ہیں اور بچوں کی شجاعت و ہمت کی تعریف فرماتے ہوئے حضرت زینب سے کہتے ہیں کہ والدہ کے بعد میں تمہیں سمجھتا ہوں ۔ بتاؤ کسے علم دیا جائے - حضرت زینب فرماتی ہیں ؎

شوکت میں قد میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں

چنانچہ علم حضرت عباس کے سپرد کیا جاتا ہے ، حضرت عباس حضرت زینب کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔
حضرت زینب مبارک باد دیتے ہوئے فرماتی ہیں ۔

ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لیکر نکل چلو

حضرت عباس جواب میں عرض کرتے ہیں

کی عرض میرے جسم پہ جبوقت تک ہی سر ممکن نہیں ہی یہ کہ بڑھے فوج اہل شر
تیغیں چلیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر دیکھے اٹھا کے آنکھ کسی کا ہی یہ جگر
ساونت ہیں پسر اسد ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینکدیں آنکھیں نکال کے

یہاں یہ معاملات درپیش ہیں اسطرف فوج شام سے نعرۂ ھل من مبارز بلند ہوتا ہے، جناب امام مخدرات عظام سے ارشاد فرماتے ہیں

صبح شب فراق ہی پیاروں کو دیکھ لو
سب ملکے ڈوبتے ہوئے تاروںکو دیکھ لو

یہ کہکر سب لوگ خیمہ ناموس سے روانہ ہوئے - مرثیہ نگار اسجگہ کہتا ہے کہ

اُجڑا چمن ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

جناب امام کے گھوڑے کی تعریف میں مرثیہ نگار کہتا ہے۔

گھوڑے کی تعریف

غصہ میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھئے اٹھلا کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے ہر دم کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے

ٹُھٹھوں پہ دم چنور تھی کہ طاؤس مست تھا
اڑتا تھا یوں کہ طائر وہم اس سے پست تھا

مرقع نگاری

تھم کر ہوا چلی فرس خوش قدم بڑھا جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا رایت بڑھا کہ سرو ریاض ارم بڑھا
پھولوں کو لیکے باد بہاری پہنچ گئی
بستان کربلا میں سواری پہنچ گئی

بچّوں کی تعریف میں مرثیہ نگار کہتا ہے کہ

مصوّری

لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار کھیلیں تو نیمچوں سے کریں شیر کا شکار
تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولہا بنے ہوئے

جنگ شروع ہوتی ہے۔ رفقائے حسینی نے فوج شام کے پرے کے پرے صاف کر دئے لیکن

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک ہلتی رہی زمیں لرزتے رہے فلک
بدلی ہوائے معرکہ اسطرح یک بیک نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

میداں میں جب ریاضِ حسینی خزاں ہُوا　　دنیا سے کارواں شہِ دیں کا رواں ہُوا
دریائے خوں میں غرق ہر اک نوجواں ہُوا　　ہمشکل مصطفےٰ بھی شہید سناں ہُوا
روتے تھے شاہ لاشوں میں تنہا کھڑے ہوئے
تھے خاک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

صحرا اور گرمی

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں　　ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لوں کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں　　رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب　　کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب　　خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے[۱] پانی فرات کا

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار　　ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ کھٹکتا تھا کوئی خار　　کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

۱؎ یعنی حد درجہ گرم تھا۔

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آبِ رواں سے مُنہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں اڑتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکلکے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
گردوں کی آڑ ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخِ اسیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

واقعہ نگاری

اس دُھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہ امُم
نہ دامنِ رسول تھا نہ سایۂ علم
اودے تھے لب زباں میں کانٹے کمر میں خم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دمبدم

بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو
گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرند آ کے بیشمار
سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہ کیلئے قحط آب تھا
سر پر لگائے تھا پسر سعد چتر زر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں ادہر ادہر
کرتے تھے آب پاش مکرر زمیں کو تر
فرزند فاطمہؑ پہ نہ تھا سایہ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سوَنلا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا
بولا یہ ابن سعدؔ قریب آکے ای جناب
بیعت جو کیجے اب بھی تو حاضر ہی جام آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب
دریا کو خاک جانتا ہی ابن بوتراب
فاسق ہی پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آب بقا بھی ہو تو مرے کام کا نہیں
فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ جفا شعار
مظلوم پر صفوں سی چلے تیر بیشمار
آواز کوس حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشاں سپاہ سیہ گو نین کھل گئے

ــــ۱ فوجِ شام کا سپہ سالار۔

وہ دہوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش　　کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے گوش
تھرّائی یوں زمیں کہ اڑے آسمان کے ہوش　　نیزے ہلا کے نکلے سواران درعہ پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں آئے جیسے گھٹا جھوم جھوم کے

تیغ حسینی نیام سے جدا ہوتی ہے۔

تلوار کی تعریف

کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا　　جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا　　سینہ سے دم جدا رگ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

اور سے

یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جسطرح کوہ پر

جناب امام مصروف جنگ ہیں۔ تلوار کی تعریف میں شاعر کہتا ہے کہ

جسپر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اسے　　کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اسے
واں تھی جدہر اجل نے اشارا کیا اسے　　سختی بھی کچھ بڑھی تو گوارا کیا اسے
نہ زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی — سَیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی

آپہنچا اسکے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

مبالغہ

مانندِ برق شعلہ فشانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان — کس بل وہ اسکا اور روانی خدا کی شان

لہرائی جب اتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی — حاجت اسے نہ سان کی ہی کچھ نہ سنگ کی

خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اترتی تھی

تیغِ حسینی سے حریف کا یہ عالم تھا کہ

منہ کسطرف ہی تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہی تھے اور تیغ زنونکو خبر نہ تھی

شاعر پھر کہتا ہے کہ

غل تھا کہ برق گرتی ہی ہر درعہ پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگ رہ رہ کے ابر شام سے تھی بارش خدنگ
وہ شور وہ شیحۂ فرس ابلق و سرنگ وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھکتا تھا دشت کیں کوئی دل تہا نہ چین سے
اسدن کی تاب و تپ کوئی پوچھے حسینؑ سے

گرمی میں پیاس تھی کہ پھکا جاتا تہا جگر اُف اُف کبھی کہا کبھی چہری پہ لی سپر
آنکھونمیں نہیں اٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر جھپٹے کبھی اوہر کبھی حملہ کیا ادہر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

تلوار کی تعریف

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے چلتی تھی ایک تیغ علی لاکھ ڈھنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے رکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے مُنہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اسکے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

ایک بیت اور ملاحظہ ہو ؎

آہن جو ہو گئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے مُنہ پھرا لئے تھے کارزار سے

نقشۂ جنگ

گھوڑوں کی جست و خیز سے اٹھا غبار زرد گردوں ہیں مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تودا بنا تہا خاک کا مینائے لاجورد کوسوں سیاہ تاب تہا سب وادیِ نبرد

پنہاں نظر سے نیرِّ گیتی فروز تھا
سب دھوپ ڈھل چکی تھی نہ شب تھی نہ روز تھا

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر
یہ دکھ نبی کی گود کے پالے حسینؑ پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

جناب امام شدّت تشنگی سے بیحال ہو کر ایک جگہ کچھ دیر توقف کرتے ہیں۔ اسی حالت میں حریف تیروں کی بارش کر دیتا ہے۔ آپ ہمہ تن زخموں میں چور ہو جاتے ہیں۔ اب دشمن قریب آ گئے اور یہ عالم ہے کہ

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ
اک سنگدل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمہ سے زرد ہو گیا سبط نبی کا رنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے

آخر کار جناب امام فرط ضعف سے غش کھا کر مایل بہ زمین ہوتے ہیں۔ اور اسی حالت میں شمر سر مبارک کو جدا کر دیتا ہے ٭

٭

فخریہ

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری ناطقے بند ہیں سن سنکے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری شور جسکا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
درد سر ہوتا ہے ہر بار نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

قدرت تخئیل

ایک قطرہ کو جو میں چاہوں تو قلزم کر دوں بحر مواج فصاحت ہیں تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں ذرے کو انجم کر دوں گنگ کو ماہر انداز تکلم کر دوں
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اعترافِ کمال

خلق میں مثل خلیق اور تھا خوشگو کوئی کب نام لے دھولے دہن کوثر و تسنیم سے جب
بلبل گلشن زہرا و علی عاشق رب متتبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جسکے سب
ہے اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

شاعر بارگاہ احدیت سے استعانت طلب ہونے کے بعد اپنی نظم کو اس مرتبہ پر دیکھنا چاہتا ہے کہ

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں جسے اہل شعور ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور

غل ہو یہ ہو کشش مو قلمِ طرۂ حور صاف ہر رنگ سے ہو قدرت صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقش اثر رنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلزمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آآ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

خصوصیاتِ زبان

روزمرّہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی یعنی موقع ہو جہاں جسکا عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہوں مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

مرثیہ کی تعریف

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جدا یہ چمن اور ہی زخموں کا گلستاں ہی جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنواں ہی جدا مختصر پڑھکے رُلا دینے کا ساماں ہی جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

یہاں سے شاعر صبح شہادت کو بیان کرتا ہے:-

منظرِ صبح

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر   دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر   لوٹی جاتی تھی جھکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

یادِ معبود

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو   دلکو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پُرخم گیسو
فاختہ کہتی تھی شمشاد پہ یا ہُو یا ہُو   سرو سے آتی تھی قمری کی صدا کوکوکو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

مناقبِ رفقائے امام

آئے سجادۂ طاعت پہ امام دو جہاں   اسطرف طبل بجایاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی کہ زباں جنکی حدیث و قرآں   وہ نمازیں کہ جو ایماں کی تن پاک تنی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

محبّت و وفاداری

کیا جوانان خوش اطوار تھے سبحان اللہ　　کیا رفیقان وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرار تھے سبحان اللہ　　زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا
مگر احمد کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

ثابت قدمی

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے　　سر کٹے پاؤں مگر راہ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکر شاہی میں رہے　　جسطرح تیغ دو دم دست سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی انکو
آبرو حضرت باری نے عطا کی انکو

مناقب رفقائے حسینی

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز　　اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے عرش معلّا پہ نماز　　شیر دل منتخب دہر رشید و ممتاز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلّی ایسے

فریضۂ سحری ادا کرنے کے بعد جناب امام حسینؓ مع اعزا و رفقا

وارد میدان کارزار ہوئے۔ رُفقا شہید ہو چکے۔اب عزیزوں کی باری ہے۔ اس موقع پر شاعر نے جناب امام کے عزیزوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

زُلفوں والا تھا کوئی کوئی مرادوں والا — کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
چاند سا مُنہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا — کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا
نوجوان کونسا خوشرو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

واقعہ نگاری

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا — پتّا پتّا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا — ابنِ زہراؑ کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور نہ وہ جانباز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین ابنِ علی تنہا تھے

جناب امام آخری رخصت کے لئے خیمۂ عصمت کے در تک تشریف لائے اور وہیں سے باآواز بلند "الوداع" کہا

مرقع نگاری

یہ صدا سُن کے حرم خیمہ سے مضطر دوڑے — شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے — بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے

لہ یعنی جناب امام حسینؑ

روکے چلائی سکینہ شہِ والا آؤ
میں تمہیں ڈھونڈتی ہوں دیر سے بابا آؤ

جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو مخدراتِ عظام خیمہ میں طلب کرتی ہیں۔ لیکن آپ وہیں سے تلقین صبر فرما کر صرف یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو"

اور

کہکے یہ باگ پھرائی طرف لشکرِ شام پڑ گیا خیمۂ ناموس نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام رُعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
سر جھکے انکے جو کامل تھے زباندانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

گھوڑے کی تعریف

آپ سیدھے جو ہوئے رخش نے بدلے تیور دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈرے بانی شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دل کو چنور مثل طاؤس اڑا گاہ اِدھر گاہ اُدھر
دمبدم گرد نسیم سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

تلوار کی تعریف

ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پیکر چمکی برق چھپتی ہے وہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پہ چمکی کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی

جسطرف آئی وہ ناگن اسے ڈستے دیکھا
منہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

تلوار کی تعریف میں ایک ایسا بند ملاحظہ ہو جسے شاعر کا بہترین کارنامہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

دہار ایسی کہ رواں ہوتا ہو دہارا جیسے گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہِ نو میں دیکھا

تلوار کی صفائی

وہ برش وہ چمک اسکی وہ صفائی اُسکی کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اُسکی
جسکی گردن سے وہ گذری اجل آئی اُسکی اسکا بازو جو اڑایا تو کلائی اُس کی
صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اسے جاتے دیکھا

تلوار کی صفائی و تیزی کی تعریف میں ایک اور بند قابل داد ہے

نہ رُکی خود پہ وہ اور نہ سر پہ ٹھہری نہ کسی تیغ پہ دم بھر نہ سپر پہ ٹھہری
نہ جبیں پر نہ گلے پر نہ جگر پہ ٹھہری کاٹ کر زین کو نہ گھوڑے کی کمر پہ ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

وہ چمک اُسکی سروں کا وہ برسنا ہر سو گھاٹ سی تیغ کے اک چشمہ بہا تھا لبِ جو
آب میں صورت آتش تھی جلا دینے کی خو اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ضربت سابق سی زیادہ کاٹا

شدایدِ جنگ

تیسرے فاقے میں یہ جنگ یہ حملے یہ جلال پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لعل
دھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوے تھے تازہ نہال لوں وہ لون تھی کہ حرارت سی پگھلتے تھے جبال
سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغِ حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کبھی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارا دیکھا
جسپہ اکبار چلی اسکو دو پارا دیکھا

جناب امام کو فوج شام ہر چہار طرف سے نرغے میں لے لیتی ہے ۔

پہلے تیروں سی کمانداروں نے چھاتی چھانی[1] نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی خون سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی

[1] یعنی تیروں سے سینہ میں سوراخ کر دے'

جسم سب چُور تھا پرزے تھے زرہ جامے کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمّامے کے

جناب امام سرتاپا زخموں میں چور ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اسی حالت میں شمر آپ کو شہید کر دیتا ہے ؏

جناب امام کے مناقب کے سلسلہ میں شاعر ایک روایت بیان کرتا ہے۔ کہ جب آپ صغیر سن تھے۔ عید کے دن اپنے نانا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نبی کریم کو اپنے نواسوں حضرات حسنین سے حد درجہ محبّت تھی، آپ بیتاب ہو کر امام حسین سے انکی افسردگی کا سبب پوچھتے ہیں۔ حضرت امام حسینؓ طفلانہ معصومیّت کیساتھ عرض کرتے ہیں۔ کہ ہمیں اونٹ لے دو۔ عید کے دن ہم سوار ہو کر مسجد میں جائینگے جیسا کہ اکثر بچّوں کو کھلاتے وقت انکے ہر طرح کے ناز اٹھائے جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم نے فرمایا

ہاں آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سی بنتی ہیں
اچھّا سوار ہوجیے ہم اونٹ بنتے ہیں

حضرت امام حسینؓ نانا کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے ہیں اور اسی معصومانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اونٹ کے تو مہار ہوتی

ہے - یہ کیسا اونٹ ہے - حضور اکرمؐ کس محبّت سے فرماتے ہیں - اچھّا تم ہمارے بال پکڑ لو - امام حسینؑ ایسا ہی کرتے ہیں پھر کہتے ہیں اونٹ تو بولتا ہے - جناب رسالتمآب اونٹ کی طرح "عف عف" کہنے لگتے ہیں - شاعر کا مقصود اس انداز بیان سے یہ ہے کہ واقعات کربلا کو زیادہ پُر تاثیر بنایا جائے چنانچہ اور بھی چند روایات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے -

حیدر رکھے انپہ صدقہ تو خیر البشر نثار — مادر ہزار جان سے صدقے پدر نثار
بہنیں فدا برادرِ عالی گہر نثار — طفلی سے تھا حسین یہ سب گھر کا گھر نثار
بُو غیر میں بھی اس گُلِ تازہ کی چھا گئی
گودی میں جسکی ہنسکے گئے جان آ گئی

وہ احمدؐ و بتولؑ و علیؑ کی محبتیں — وہ حلۂ بہشت وہ جنت کی نعمتیں
وہ پرورش وہ چین وہ بچپن کی راحتیں — وہ فاطمہؑ کے دودھ کی ہارونکی لذتیں
موسم تھا کچھ دنوں تو بزرگوں کے پیار کا
اکدن مزہ تھا خنجر قاتل کی دھار کا

مرقع نگاری

ہونا وہ صبح قتل کا اور بیبیوں کا بین — سوتے سے چونک کر وہ یتیمونکی شور شین
زینبؑ کا اضطراب کہ ہے ہے چلے حسینؑ — وہ آخری نماز شہنشاہِ مشرقین
در پر کھڑی ہوئی وہ سواری امام کی
سجدے میں وہ تضرع و زاری امام کی

فریضۂ سحری سے فارغ ہو کر جناب امام مع رفقا عازمِ میدان کارزار ہوتے ہیں۔

جب وادیِ نبرد میں پہنچے وہ گلعذار تھی گلشن رسول خدا پر عجب بہار
میدانِ کین میں تھے جو صف آرا ستم شعار اکبارہ ان گلوں پہ پڑے تیر دس ہزار
سینوں سے انکے تیروں کی سر یاں گذر گئیں
اُجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں

وہ ناصرانِ دین جو سدھارے سوئے جناں رن میں لڑے عقیل کے فرزندِ نوجواں
جعفر کے باغ تازہ پر جب آ گئی خزاں سرو رواں علی کے ہوئے جنگ کو رواں
سینوں پہ زخم تیغ و سناں کھا کے مر گئے
نقشہ علی کی جنگ کا دکھلا کے مر گئے

نکلے حسینی و حسنی پھر پئے جدال ایسے لڑے کہ ہو گیا میداں لہو سے لال
ہنگامِ ظہر آ گیا جب فوج پر زوال لاشے تھے گرد جسمیں تھا تنہا علی کا لال
آئی صدا یہ دل سے کہ صدمے بڑے ہوئے
ہیں خاک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

اب تنہا جناب امام حسینؑ علیہ السلام رہ گئے۔ چنانچہ خود تیغ آزمائی فرماتے ہیں۔ شاعر تلوار کی تعریف میں کہتا ہے کہ

تلوار کی تعریف

لوہے کی اُسکی کچھ نہ کھلا کونسی تھی قسم جوہر سے شکل آئینہ شفّاف صاف جسم
کیا جانے اسپہ شاہ نے کیا دم کیا تھا اسم اکدم میں کھولدیتی تھی ہر جسم کا طلسم

مانند دیو گرچہ قدِ دشمن بلند تھا
بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا
ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی — آئی ادھر سے سَن سے ادھر سے نکل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب کے کل گئی — کشتِ امان دامن شریرونکی جل گئی
کس کس مزے سے خونِ عدو چاٹتی تھی وہ
ہر عضو مثل حرف غلط کاٹتی تھی وہ
غازی نے سرکشونکو تہِ تیغ دھر لیا — قبضہ اجل کیطرح ہر اک تن پہ کر لیا
لاشوں سے دشت ظلم نے دامن کو بھر لیا — لیتی ہوئی سپر کو جو اتری تو سر لیا
ٹھہری نہ خود پہ نہ زرّہ پر نہ زین پر
سر سے کمر پہ تھی تو کمر سے زمین پر
مثلِ خیار کٹ گئے رویئں تنونکے سر — شہ کے قدم پہ لوٹتے تھے دشمنونکے سر
توڑے بنے تھے خاک پہ شیر افگنونکے سر — تکیہ کی جا پڑے تھے تلے گردنونکے سر
کشتے پڑے تھے خاک پہ یوں ذوالفقار کے
سوتے ہیں جیسے بوجھ مسافر اُتار کے
اللہ رے تیغ دستِ خدا کی صفائیاں — مارے جو ہنکٹے تو اڑا دیں کلائیاں
پھرتی سے گو جوانوں نے چوٹیں بچائیاںؔ — کٹ کٹ گئیں پھکیتونکے ہاتھونکی کھائیاں
مقدور کسکو جنگ میں رد و بدل کا تھا
ضربت تھی تیغ کی کہ طمانچہ اجل کا تھا

۱؎ پرانی زبان ہے۔ اب قطعاً متروک ہے ؎

واقعہ نگاری

جب لڑتے لڑتے عصر کا ہنگام آگیا خوں بہکے تا بہ قبضۂ صمصام آگیا
نرغے میں فاطمہ کا گل[1] اندام آگیا تیر ونکے کیساتھ موت کا پیغام آگیا
تھا شوق بندگی جو شہ سرفراز کو
گردن جھکائے گھوڑے سے اترے نماز کو

ذوقِ عبادت

نیت میں تھی عبادت خالق جو مرتے دم سُو رے زبان خشک سی پڑھکر بچشم نم
گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے سوئے قبلہ خم جھکنا تھا بسکہ سر پہ لگا تیغۂ ستم
اٹھا گیا نہ پھر وہیں تیور اکے گر پڑے
سجدی کو ریگ گرم پہ غش کھاکے گر پڑے
اسی حالت میں شمر آپ کا سر مبارک جُدا کر دیتا ہے۔

---

[1] مراد حضرت امام حسینؑ سے ہے۔

غمِ فرزند

یارب کسی کا باغِ تمنّا خزاں نہ ہو دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
ماں باپ سی جُدا پسر نوجواں نہ ہو چھُٹ جائیں سب پہ فرقتِ آرامِ جاں نہ ہو
گر لاعلاج ہے تو کلیجے کا داغ ہے
بد تر وہ قبر سے ہے جو گھر بے چراغ ہے

غمِ نورِ نظر

دشمن کو بھی جہاں میں فراقِ پسر نہ ہو ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد پہ دردِ جگر نہ ہو یارب کسی کو صدمۂ نورِ نظر نہ ہو
مٹی ہے سلطنت جو ملے کائنات کی
بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذّت حیات کی

محاکات

زانو پہ مر گیا جو برابر کا نورِ عین غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جھک گئے حسینؑ
جب ہو جگر پہ زخم تو کیا آئے دل کو چین اللہ رے غم کہ پیر ہوئے شاہِ مشرقین
پھر تو نہ کوئی آس نہ کوئی امید تھی
چہرہ تھا زرد ریشِ مبارک سفید تھی

جناب امام حسین علیہ السلام حرم سے رخصت ہونے کے لئے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کو آمادہ وغا دیکھکر مخدرات بیتاب و بیقرار ہو جاتے ہیں۔ جناب امام اپنی ہمشیرہ حضرت زینبؑ کو

اسطرح تلقین صبر فرماتے ہیں۔

تلقینِ صبر

زینبؑ طریقۂ جہلا ہے بکا و آہ بندے کی صبر میں ہی رضامندی آلہ
درپیش ہر بشر کو ہے یہ ناگزیر راہ نے موت سے فقیر بچے گا نہ بادشاہ

بیٹوں سے باپ بہنوں سے بھائی جُدا ہوئے
تھے اس مکاں میں پہلے جو ہم سے وہ کیا ہوئے

درسِ عبرت

دیکھو کہ جینے تک تھے مرے سب رفیق و یار اب ہے نہ کوئی دوست نہ ہمدم نہ جاں نثار
افسوس دوپہر میں خزاں ہو گئی بہار غنچہ ہے نے شجر ہے نہ گل ہے نہ برگ و بار

برسوں میں جنکو جمع کیا تھا وہ مر گئے
گویا کبھی جہاں میں نہ تھے یوں گذر گئے

افضل کہیں تھے مجھ سے مرے مادر و پدر اب والدہ کہاں ہیں کہاں شاہ بحر و برؔ
بیٹوں سے باپ چھٹ گئے باپ سے پسر انکی ہمیں خبر نہ ہماری انھیں خبر

پیارے تھے سب پہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جسدم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

حضرت زینب عرض کرتی ہیں کہ آپ ہم عورتوں پر رحم کریں، جب آپ ہی نہ رہے تو ہماری کون مدد کرے گا۔ جفا پیشہ کوفی

ؔ یعنی حضرت علیؑ

رحم سے خبردار نہیں - یہی ہوگا کہ ہمیں لوٹا جائے - اور اسیر کئے جائیں -

شہ نے کہا تمہیں نہیں لازم یہ اضطرار
راہ خدا میں ہے یہ اسیری بھی افتخار
گر قید ہوگئیں تو چھڑائے گا کردگار
ہے ذات اسکی راحم وستار پردہ دار

سمجھو مرے سخن کو بہن باتمیز ہو
میں اسکو سونپتا ہوں کہ جسکی کنیز ہو

آپ تلقین صبر فرما کر رخصت ہونا چاہتے تھے کہ اتنے میں حضرت کے بڑے فرزند حضرت سجادؑ بیمار حاضر ہوئے - بخار کی وجہ سے جسم مبارک دہک رہا ہے - ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں شدت ضعف کی وجہ سے بات نہیں کر سکتے - یہ حالت دیکھ کر جناب امام بہت متاثر ہوئے، حضرت سجادؑ عرض کرتے ہیں - میں کن آنکھوں سے دیکھوں - کہ آپ میدان جنگ میں اپنا سر کٹائیں - مجھے اجازت دیجئے کہ پہلے میں آپ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں - جناب امام فرماتے ہیں - تمہاری حالت ایسی نہیں، بیمار ہو، ناتواں ہو،

جناب سجاد کس درد سے کہتے ہیں کہ

جذبۂ ایثار

قابل نہیں ہی تیغ کے گو دست رعشہ دار
کھائیگا نیزے آپکے بدلے یہ جاں نثار
کچھ غم نہیں جو تپ سے دہکتا ہی جسم زار
لڑنیکو جب چڑھے تو اتر جائیگا بخار

لڑنا ہی سہل قید میں جا یا نہ جائیگا
خادم سے بار طوق اٹھایا نہ جائیگا
شہ نے کہا کہ اسمیں نہیں جائے دم زدن بیٹا یہی ہے مصلحت ربّ ذوالمنن
کیجو زباں سے تم نہ شکایت کے کچھ سخن نقصان کیا ہے طوق ہو گردنمیں یا رسن
ہے اختیار خالق عادل کے واسطے
ظلمت گہن کی ہے مہِ کامل کے واسطے

الغرض حضرت سجّادؑ کو سمجھا کر جناب امام روانہ ہوئے اور میدان کارزار میں پہنچے۔ فوج شام آمادۂ جنگ ہوتی ہے۔

خیر النساؑ کے ماہ پہ جب چھا گئی سپاہ کچھ شہ پہ آئی کچھ سوئے دریا گئی سپاہ
تنہا جو ابن فاطمہؑ کو پا گئی سپاہ نیزہ اٹھا اٹھا کے قریب آگئی سپاہ
ڈالی جو رن نے آنکھ شہِ ارجمند پر
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر

اور تیغ آبدار کو دستِ مبارک میں جلوہ دیا۔

گھوڑے کی تعریف

چمکی ادھر تو تیغ شہنشاہ قلعہ گیر کوندا ادھر زمین پہ سمند فلک مسیر
شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بے نظیر کی تیز رو نے جست کہ نکلا کماں سے تیر

لہ 'خیر النسا' حضرت فاطمہ کا لقب ہے۔ "خیر النسا کے ماہ" سے مراد جناب امام حسینؑ ہیں۔

صرصر کبھی رکی ہی بھلا اونچ نیچ میں
اترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں

تلوار کی تعریف

بجلی گری کہ تیغ شہ بحر و بر چلی نکلی کمر سے بڑھ کے تو بالائے سر چلی
پہنچی شکست اُدھر پہ عدو کش جدھر چلی آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے
لشکر کے سر بلند جواں پست ہو گئے
ڈھالیں اُٹھا کے جب وہ ستم کی گھٹا بڑھی مانند برق کوند کے یہ جانگزا بڑھی
ہر سُو اٹھا یہ شور کہ سیل فنا بڑھی وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے منہ قضا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا
گویا چھری لئے ملک الموت ساتھ تھا

نقشۂ جنگ

بازو کسی کا تن سے جدا تھا کسی کا سر دو تھا بشکل لا کوئی گردن سے تا کمر
کوئی تڑپ رہا تھا اِدھر اور کوئی اُدھر بیٹے سے چھٹ گیا تھا پدر باپ سے پسر
بھاگڑ میں اہل ہوش بھی سب بیحواس تھے
زندہ جو تھے وہ کشتۂ تیغ ہراس تھے

بھڑکی تھی آگ ظلم کی جنگل میں ہر طرف — اک الاماں کا شور تھا مقتل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ شام کے بادل میں ہر طرف — گرتی تھی برق کوند کے ہر پل میں ہر طرف
گر گر کے ریگ گرم پہ ناری پھڑکتے تھے
تن سے لہو نہ اڑتا تھا شعلے بھڑکتے تھے

حریف کی تباہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے مرثیہ نگار ایک بیت کہتا ہے ؎

سب خوں گرفتۂ تیغِ عذاب تھے
موجیں تھی دست و پا کی سروں کے حباب تھے

تلوار کی تعریف

تلوار تو نہیں ہے خدا کا یہ قہر ہے — دم خم میں گھاٹ باڑھ میں یکتائی دہر ہے
لوہے میں اسکے آب ہے پانی میں زہر ہے — تلوار کی لچک نہیں افعی کا لہر ہے
دل کانپتا ہے کون اجل سے دو چار ہو
اسکی ہوا لگے تو کلیجے کے پار ہو

جناب امام حسینؑ خود بھی از سر تا پا زخموں میں چور ہو جاتے ہیں اور دشمنوں نے ہر طرف سے آپکو حلقہ میں لے لیا ہے۔ یہ عالم ہے کہ

تیغوں کے وار شاہ پہ چلتے تھے بار بار — زخموں کا خون چہرے پہ ملتے تھے بار بار
لختے لہو کے منہ سے نکلتے تھے بار بار — جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار

یہ بیکسی بتول کے آرام جاں پہ تھی
لیکن دعائے اُمتِ عاصی زباں پہ تھی

آخرکار آپ کو فرطِ ضعف سے غش آجاتا ہے اور پشتِ توسن سے تپتی ہوئی زمین پر گر پڑتے ہیں - اسی حالت میں آپ شہید کر دئے جاتے ہیں ؛

واقعہ نگاری

ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر — مچھلی سے تڑپنے لگے معصوم زمیں پر
صدمہ تھا عجب بادشہ عرش نشیں پر — اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر
گلبرگ سے لب خشک تھے سر زانو پہ خم تھا
پردیسیوں کی فکر تھی اطفال کا غم تھا

جناب امام مصروف دعا ہوتے ہیں۔

یہ موسم گرما یہ تب و تاب یہ میداں — یارب مرے اطفال کا بس تو ہے نگہباں
تجھ پر تو ہی ظاہر کہ میں ہوں بے سر و ساماں — افسردہ دل و فاقہ کش و مضطر و حیراں
کیا نفع ہے اعدا کو مری دل شکنی میں
محتاج ہوں پانی کا غریب الوطنی میں

یہ چاند کے ٹکڑے ہیں مرے گود کے پالے — بن پانی تڑپتے ہیں زبانوں کو نکالے

ان تازہ گلوں کے مجھے جانو نگی ہیں لالے اولاد کے داغوں سے کلیجے کو بچالے
راضی ہوں میں جو مجھ پہ گزرنا ہو گزر جائے
بچہ[1] مرا دم توڑ کے جھولے ہیں نہ مر جائے

آپ مصروفِ دعا ہیں کہ حضرت علی اصغر کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ بقول شاعر حضرت شہر بانو (زوجہ حضرت امام حسینؓ) کہتی ہیں۔

ماں کی مامتا

کیا جی پہ بنی ہے کہ ہمکتے نہیں اصغر اب دودھ کی خاطر بھی بلکتے نہیں اصغر
ہے ہے مری صورت کو بھی تکتے نہیں اصغر لو نرگسی آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اصغر
لے آئے کوئی اذن شہِ جن و بشر سے
پانی کی گدائی کو نکلتی ہوں میں گھر سے

تاثیرِ درد

ساغر لئے حضرت کے قریں آتا تھا کوئی پانی ہمیں منگوا دو یہ چلاتا تھا کوئی
سوکھے ہوئے لب شاہ کو دکھلاتا تھا کوئی ہم پیاسے ہیں یہ کہکے لپٹ جاتا تھا کوئی
پانی تو نہ تھا اشک بہا دیتے تھے حضرت
شرما کے سر پاک جھکا لیتے تھے حضرت

---

[1] یعنی شیر خوار علی اصغر،

جناب امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت سکینہ اپنی پھوپھی حضرت زینب کی گود میں ہیں - اور بیتاب ہو ہو کر کہہ رہی ہیں -

اب پیاس کی گرمی سے مجھے تاب نہیں ہے
یہ کیسی ہے منزل کہ جہاں آب نہیں ہے

اسی بیتابی و بیقراری میں دن ختم ہوا -

وہ شام غم انجام وہ صحرا کی سیاہی　　بچوں کا وہ رونا وہ غریبوں کی تباہی
زینبؑ کو یہ تھی سوچ کہ کیا ہوگا الٰہی　　بربادی سادات ہے بے دینوں نے چاہی
نے جنگ کا ساماں ہے نہ کچھ فوج ادھر ہے
لٹ جانیکا بھی خوف ہے شبخوں کا بھی ڈر ہے

جناب امام مصروف اوراد و اشغال ہیں کہ بچوں کی گریہ وزاری کی آواز پھر بلند ہوئی، حضرت عباس جناب امامؑ سے اجازت لے کر مع کچھ سواروں کے نہر پر جاتے ہیں - وہاں جنگ شروع ہو جاتی ہے - اس موقعہ پر ایک بند نہایت خوب ہے ملاحظہ ہو -

آخر نہ ہوا تھا ابھی یاں حملۂ اوّل　　فوج ستم آرا میں ادھر ہوگئی ہلچل
گھوڑوں پہ اندھیرے میں گرے پڑتے تھے پیدل　　لامع ہوئی جب تیغ تو روشن ہوا جنگل
اڑتے ہوئے گردوں پہ شرارے نظر آئے
بجلی کہیں چمکی کہیں تارے نظر آئے

آخر حضرت عباس بہ فتح و فیروزی پانی کی مشکیں لئے واپس آئے - جناب امام بھائی کی یہ جرأت و ہمت دیکھکر خوش ہو جاتے

ہیں۔ اور گلے سے لگا لیتے ہیں۔ فرطِ مسرّت سے بچّوں کے چہرے گلنار ہو جاتے ہیں۔ ایک بیت ملاحظہ ہو

مادر کے رخِ پاک کو تکنے لگے اصغر
جھولے میں خوشی ہو کے ہمکنے لگے اصغر

جب سب لوگ سیراب ہو چکے تو جناب امام نے حضرت عباس سے فرمایا کہ باقی پانی گھوڑوں کو پلا دو۔ حضرت عباسؑ عرض کرتے ہیں کہ "بچّوں کے لئے پانی رکھنا مقدم ہے۔ لیکن جناب امام کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بے زبان جانور پیاسے رہیں ارشاد فرمایا

ہم پانی پیئیں وہ نہ پیئیں شرم کی جا ہے
حیوان نہ پیاسے رہیں بچوں کا خدا ہے

یہ واقعہ ہفتم کا ہے، ہشتم سے رفقائے حسینی کو پھر پانی نہ ملا۔

صبح عاشورہ

جب نیّر نمایاں ہوئی صبح شب عاشور   سب عالم ایجاد ہوا نور سے معمور
خورشید کی آمد سے ستارے ہوئے بے نور   چہروں سے اڑا رنگ حرم صورت کافور
معصوم بچھڑتے ہیں عدم کے سفری سے
پروانے گلے ملتے تھے شمع سحری سے

جناب امام حسینؑ عصمت سرا میں تشریف لے گئے۔ اور

سب سے ملکر رخصت ہوئے

مرقع نگاری

روتے ہوئے خیمے سے برآمد ہوئے شبیر بیٹی کہیں غش کھا گے گری اور کہیں ہمشیر
پہلے سے نقاہت تھی زبس پاؤں کی زنجیر تڑپا کئے اور اٹھ نہ سکے عابد دلگیر
چلاتے تھے تپ نے ہمیں بابا سے چھڑایا
بیمار کو قسمت نے مسیحا سے چھڑایا

جناب امام مع عزیز و رفیق میدان مقابلہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ حضرت عباس رفقائے حسینی سے کہتے جاتے ہیں کہ

درس شجاعت

یہ روز مبارک ہے سعادت ہے یہ مرنا سجدے میں تہ تیغ سر اس جنگ میں دھرنا
ہاں غازیو اس کثرت اعدا سے نہ ڈرنا ہر زخم پہ دم الفت شبیر کا بھرنا
گھوڑوں کی عنانوں کو عنانوں سے ملا دو
تیغوں سے گلے سینے سنانوں سے ملا دو

رفقائے حسینی کی شان دکھاتے ہوئے مرثیہ نگار کہتا ہے کہ

مناقب رفقائے حسینی

ہتھیار چمکتے ہوئے اور برق سے تازی دیندار خوش اطوار وفادار نمازی
مکی و قریشی و حسینی و حجازی زور آور و لشکر شکن و صفدر و غازی
جب آنکھ ملا دیں تو دلیروں کو بھگا دیں
قبضے پہ رکھیں ہاتھ تو شیروں کو بھگا دیں

جب امام معہ گروہ رفقا میدان کارزار میں پہنچے -

ڈنکے پہ پڑی چوٹ بڑھا شام کا بادل   نعروں سی دلیروں کے لگا گونجنے جنگل
تلواریں جو چمکیں تو پڑی فوج میں ہلچل   آگے صفِ آخر ہوئی پیچھے صفِ اوّل

کیا زور تھا انصارِ شہ تشنہ دہاں کا
لشکر تہ و بالا ہوا دو لاکھ جواں کا

تمام رفقا دادِ شجاعت دے دے کر جاں بحق ہو چکے - اب عزیزوں کی باری آئی - مرثیہ نگار کہتا ہے کہ

سادات کے حملوں سی قیامت ہوئی رنمیں
بس عصر تلک سب کی شہادت ہوئی رنمیں

اب جناب امام تنہا رہ گئے - اس بیکسی و تنہائی پر بھی آپ کی مقدس پیشانی پر شکن نہیں - خود بڑھتے ہیں - اور رجز خوانی کے بعد حملہ کرتے ہیں -

معرکہ آرائی

چھایا ہوا تھا چاروں طرف ڈھالوں کا بادل   شمشیر تھی مانند ہلال شب اوّل
تھی جانوں کی دہشت سی عجب فوج میں ہلچل   پیدل پہ تو اسوار تھے اسوار و تپہ پیدل

بند آنکھیں کئے فوج کئی کوس تلک تھی
آئینۂ شمشیر میں بجلی کی چمک تھی

تلوار کی صفائی

تلوار پڑی شاہ کی جس دشمنِ دیں پر   بکتر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ جبیں پر

گردن سے لگی سینہ پہ اور سینہ سے زیں پر　　اسوار تھے گھوڑوں پہ تو گھوڑے تھے زمیں پر
تھا شور کہ اعجاز ہے یہ ضرب نہیں ہے
ہے قہر خدائے دو جہاں حرب نہیں ہے

بجلی سی جو گر کر وہ صفِ جنگ سے نکلی　　فریاد کی آواز دلِ سنگ سے نکلی
اسوار کے سر پہ جو پڑی تنگ سے نکلی　　سینے میں در آئی تو عجب ڈھنگ سے نکلی
چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
پایا جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا

جس شامی کے شانے پہ پڑی شانہ جدا تھا　　پہونچے تلک آ پہنچی تو دستانہ جدا تھا
تکبیر جدا نعرۂ شیرانہ جدا تھا　　اپنوں سے ہر اک صورت بیگانہ جدا تھا
اس جنگ میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر تھی
ہاں تھی تو سر و تن کو جدائی کی خبر تھی

جناب امام مجروح ہو گئے اور یہ عالم ہوا کہ
افراط جراحت سے یہ تھا رنگ بدن کا
ہر عضو تھا اک پھول شہادت کے چمن کا

جناب امام شدّت ضعف و تشنگی اور کثرت جراحت سے بیحال ہو کر فرش خاک پر گر پڑے اور سجدۂ آخری ادا کرنے لگے۔ اسی حالت میں شمر سیہ دل شہید کر دیتا ہے ❊

❊

منظرِ خزاں

یارب یہ کیسی باغ جہاں میں ہوا چلی
لالے کیطرح داغ دل زار ہیں چلی
آئی صدائے آہ جو چٹکی کوئی کلی
ہی خار رنج سے دلِ بلبل کو بیکلی

گلچین موت گل کو جو صرف خزاں کرے
کیا عندلیب زمزمہ پردازیاں کرے

انقلاب زمانہ

عبرت سی باغ دہر کی کٹتی ہی صبح وشام
راہی ہوا کوئی تو کسی نے کیا مقام
پامال ظلم اور چمن ہوں تو کیا کلام
تاراج جب ہو باغ رسول فلک مقام

افسوس کربلا میں ستم پر ستم ہوا
اک دوپہر میں گلشنِ حیدر قلم ہوا

تاثیر درد

پائی نمازِ شب سے فراغت جو شاہ نے
شکر خدا کیا شہِ عالم پناہ نے
تاروں پہ کی نگاہ جو زہرا کے ماہ نے
کی آہ سرد سبط رسالت پناہ نے

فرمایا اب سحر کی علامت قریب ہے
اکبر اٹھو کہ صبح شہادت قریب ہے

آخری عبادت

اے مہ لقا یہ طاعت باری کا وقت ہے
ربّ علا سے کار برآری کا وقت ہے،
حمد وثنا و گریہ وزاری کا وقت ہے
سجدے کرو یہ شکر گزاری کا وقت ہے

آمادۂ فساد ادہر ہر شریر ہے
آ جا اے پسر نماز جماعت اخیر ہے

تلقین صبر

پیدا برائے رنج و مصیبت بشر ہوا   دنیا تو ہے مقام فقط امتحان کا،
انساں اگر ہو لاکھ تردد میں مبتلا   آئے زباں پہ اُف نہ کبھی شکر کے سوا
بھولے غموں کو خالق اکبر کی یاد میں
ہوئے نہ فرق طاعت ربّ عباد میں

شاعر واقعات کربلا سے متاثر ہو کر صبح کربلا کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

صبح کربلا

ہونا وہ صبح کا وہ اداسی کہ الحذر   دل چاک تھے گلوں کے ٹپکتے تھی سر شجر
شبنم تھی اشکبار تو بلبل تھی نوحہ گر   ملتے تھے برگ دست تاسف جھکائے سر
باغ نبی خزاں ہو تو کسطرح گل پڑے
طائر سب آشیاں سے تڑپ کر نکل پڑے

شاعر کی نظر غم جناب امام حسینؓ میں باغ و بہار پر بھی اسطرح پڑتی ہے۔

چلتی تھی تیز و تند ہوا اُڑ رہی تھی گرد   گلشن میں بھر رہی تھی صبا دل سے آہ سرد
رنج و الم سے رنگ گل ارغواں تھا زرد   چٹکی اگر کلی بھی تو آئی صدائے درد

نرگس تھی غم سے ششدر و حیراں کھڑی ہوئی
سبزہ نڈھال اوس گلوں پر پڑی ہوئی

جناب امام عصمت سرا سے باہر تشریف لاتے ہیں اور اپنے فرزند حضرت علی اکبر کو حکم اذاں دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہر دم بشر کو چاہیے مرنے کی فکر ہو
لازم ہے زیرِ تیغ بھی خالق کا ذکر ہو

فریضۂ سحری سے فارغ ہو کر جناب امام عصمت سرا میں تشریف لے جاتے ہیں۔ سب سے رخصت ہو کر اور تلقین صبر کر کے باہر تشریف لاتے ہیں۔ خیمہ سے بر آمد ہونے کے بیان میں ایک بیت بہت خوب ہے۔

عارض کی ضو سے دیدۂ انجم جھپک گئے
نکلا جو آفتاب تو ذرے چمک گئے

اور

لشکر پہ اپنے شہ نے بحسرت نگاہ کی
دیکھی قلیل فوج تو اک دل سے آہ کی

جناب سید الشہدا مع رفیقان باوفا میدان کارزار میں پہنچتے ہیں۔ جنگ شروع ہوتی ہے۔ اور تمام عزیز و رفیق حق وفا ادا کر کے نثار ہو جاتے ہیں۔ اس موقعہ پر یہ بیت ملاحظہ ہو بہت خوب ہے ؎

آئی خزاں ریاض علی و بتول میں
کوئی رہا نہ لشکر سبط رسول میں

جناب امام رجز خوانی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

رجز

تم کیا ہو اک جہاں ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے — سر کاٹ ڈالوں تن سے کوئی ہاتھ گر اٹھائے
ہم پنجہ آکے شیر اگر ہو شکست کھائے — سر بھی کٹے تو بات میں اپنی نہ فرق آئے
آتے ہیں تیغ کھینچ کے ہٹ جاؤ راہ دو
ہاں مرد ہو تو پھر یہ نہ کہنا پناہ دو

جنگ شروع ہوتی ہے، جناب امام کی تیغ خون آشام نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ فوج حریف کا یہ عالم تھا کہ

معرکہ آرائی

سر اڑ رہی تھی چلتی تھی سن سن جو ذوالفقار — بھڑکی تھی آگ گرم تھا میدانِ کارزار
ڈھالوں کو روکتے تھے سیہ رو جو بار بار — بجلی کی طرح کوندتی تھی تیغِ شعلہ بار
مرتے تھے ڈر سے ڈوب کے ناری فرات میں
غل تھا کہ آگ لگ گئی کشت حیات میں

نقشۂ جنگ

غیظ و غضب میں تھے جو شہنشاہؑ ذی حشم — چلتے تھے وار تیغ دو پیکر کے دمبدم
ہٹتے تھے روک کر سپریں بانیٔ ستم — جب انکے ہاتھ اٹھتے تھے ہوتے تھے سر قلم

ؑ یعنی حضرت امام حسینؑ،

بھاگے تھے وہ بھی تھے جو بہادر لڑے ہوئے
بے دست و پا تھے خاک پہ لاشے پڑے ہوئے

گھوڑے کی تعریف

سرعت جو راہوار کی رگ رگ میں ہی بھری
اڑتا ہی بار بار سوے چرخ اخضری
رہوار ہی کہ برق چھلاوہ ہے یا پری
میدان نورد شیر غضبناک اور جری
اسکی تڑپ سے ابر دوندہ گھٹا رہا
سایہ بھی پچھلے پاؤں سی پیچھے ہٹا رہا

اڑتی تھی بار بار ہوا سے جو اسکی یال
غل تھا کہ پھر رہی ہی پری کھولے سر کے بال
آفت کی جست و خیز ہی اسکی ستم کی چال
ٹاپوں سی فوج شام کو کرتا ہے پائمال
بجلی کیطرح جاتا ہی ہر صف میں کوند کے
سرمہ کئے ہیں کاسۂ سر روند روند کے

عمر ابن سعد اپنی فوج سے ایک نامی پہلوان کو جناب امام کے مقابلہ پر بھیجتا ہے۔

سجنے لگا سلاح یہ سنکر وہ خیرہ سر
زنجیر آہنی سے کسی دیو نے کمر
چھلے ہوئے کڑی پہ کڑی تھا جو فتنہ گر
پہنی زرہ شقی نے رکھا خود فرق پر
نیزہ سنبھالا گرز کو کاندھے پہ دھر لیا
چلہ کماں پہ جھک کے چڑھایا تبر لیا

حریف سامنے آ کر متعدد حملے کرتا ہے۔ لیکن جناب امام حسینؑ اسکا ہر وار رد کر دیتے ہیں۔ اور پھر خود تلوار کا

وار کرتے تھے ۔

تلوار کی تعریف

آگر قریب فرق سپر کو قلم کیا، دو کر کے خود کاسۂ سر کو قلم کیا
گردن سے جب بڑھی تو جگر کو قلم کیا کھنچتی ہوئی چلی تو کمر کو قلم کیا
تھم کر چلی جو واں سے تو ٹھہری نہ زین پر
ٹکڑے تھے چار راکب و مرکب زمین پر

فوجِ شام جناب امام پہ ہر طرف سے تیر برسا دیتی ہے ۔ جب آپ ہمہ تن زخموں میں چور ہو جاتے ہیں تو زمین کربلا پہ گر پڑتے ہیں ۔ جلّاد شمر آپ کو شہید کر دیتا ہے ۔

تمام شد